لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:122 فروری 2023ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated

Chief Editor

فہرست مضامین

4	والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا نئے سال کا مشاعرہ۔ رپورٹ امجد مرزا امجد	
5	سرافتخار اکیڈمی یو کے کے زیر اہتمام ایک شام اور مشاعرہ	ادارہ
6 تا 17	غزلیات: ذکر طارق بارہ بنکوی، محمد زاہد رضا بنارسی، عبیداللہ علیم، خالد ملک ساحل جرمنی، احمد نثار انڈیا، احمد فراز، محمد علی مضطر پاکستان، ظفر شاہ، ڈاکٹر فرزانہ فرحت لندن، فوزیہ ظہیر پاکستان، آفتاب شاہ، منیر باجوہ، شاعر علی شاعر، مبارک صدیقی، طفیل عامر، مبشر احمد راجیکی، احمد فراز، فوزیہ ظہیر فضا، شمشاد احمد چوہدری، شرجیل، فیض احم فیض، نصیر احمد ملائیشیا، نثار باجوہ ٹورانٹو، محمد ولی صادق، اطہر حفیظ فراز، محمد ولی صادق، راجہ اسلم نارمہ، شفیق مراد جرمنی، ممتاز ملک، ایم زیڈ کنول لاہور، ڈاکٹر رحمان دانش، ڈاکٹر محمد اشرف کمال بھکر، سحل سلہری، ڈاکٹر منور کنڈے، مجبی محمد مجید اللہ، احمد علی برقی اعظمی، منیر باجوہ، انصر رضا، گلشن بیابانی، اسماء خواج صبا، محسن نقوی، شاہد محمود خان، جبیں نازاں، شائق نصیر پوری لندن، عاصی صحرائی، بشارت ریحان، آصف محمود ڈار، راجہ اسلم نارمہ،	
18	آہ طفیل خلق	امجد مرزا امجد
20	خطیب رفعت اللہ رفعت کی نظموں کا تنقیدی جائزہ	عائشہ صدیق
22	گھریلو تشدد کے شکار مرد بھی ہیں	جبیں نازاں
24	پروین شاکر	ادارہ
27	A resume of the service of Rana Abdul Razzaq Khan	
28	پرویز شاہدی کی غزلیہ شاعری	احمد علی جوہر نئی دہلی
31	رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی خدمات	سرافتخار ایازاکیڈمی یو کے
32	ہم عصر اردو افسانہ میں حاشیائی کرداروں کی عکاسی	احمد علی جوہر
38	دیسی خواتین	امجد مرزا امجد
38	تحریر ضرور پڑھیئے گا	رجل خوشاب
40	تشخیص	شہزاد مبشر، گلاسگو
41	جستہ جستہ	عطاءالقادر طاہر
42	آفتابیات	آفتاب شاہ

اعلان

ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637, (R) 02086482560

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا نئے سال کا عظیم الشان مشاعرہ

(رپورٹ وفوٹو، امجد مرزا)

چودہ برسوں سے ہر ماہ کی پہلی اتوار کو لندن کی پرانی معروف ادبی تنظیم ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم ،لندن'' عظیم الشان ادبی محافل کا اہتمام کرتی آئی ہے۔

اس نئے سال کی خوشی میں یکم کو چھٹی ہونے کی وجہ سے 8 جنوری بروز اتوار ایک بجے لی بریج روڈ لائبریری میں حسب معمول ایک خوبصورت ادبی محفل کا اہتمام کیا گیا۔جس کی صدارت پاکستان سے تشریف لائے معروف صحافی طارق مسعود صاحب نے کرنی تھی مگر کسی ناگزیر وجہ سے آپ اسی روز پاکستان واپس چلے گئے لہٰذا ان کی جگہ معروف شاعرہ محترمہ سبینہ سحر نے صدارت کی جبکہ مہمان خصوصی محترمہ منزہ شاہ اور مہمان اعزازی جناب ضیاء احمد تھے۔نظامت امجد مرزا نے اپنے خاص انداز میں کی جس میں وہ شروع سے آخر تک قہقہے بکھیرتے رہتے ہیں۔اس بارسخت بارش کے باوجود پچیس کے قریب شعرا اور سامعین نے تشریف لا کر اس پروگرام کو چار چاند لگا دیئے۔ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا آرام دہ صوفوں پر تشریف فرما مہمان چائے بسکٹ کیک اور نمک پاروں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ مشاعرے کا مزہ بھی لے رہے تھے۔

مشاعرے کی ابتدا علامہ محمد اسماعیل صاحب نے اپنی خوبصورت قرآت سے کی جبکہ نعت شریف کا شرف محترم قیصر محمود کو حاصل ہوا۔اس بار صوفیانہ کلام کے ماہر حاجی محمد فیاض اور حاجی فضل حسین بھی موجود تھے جنہوں نے اپنی آواز کا جادو جگا کر خوب داد وصول کی۔معروف گلوکار شیخ محمد یوسف صاحب نے بھی اپنی خوبصورت آواز میں ایک گانا پیش کیا۔جن کے بعد باقاعدہ مشاعرے کی ابتدا ہوئی۔جس میں امجد مرزا امجد، محمد جہانگیر، حاجی بوستان، خالد پردیسی، سید اقبال، شاہین اختر شاہین، ارشاد احمد خان کاکوی،

محمود علی محمود، راجہ محمد الیاس، اور چوہدری محبوب احمد محبوبؔ نے اپنا اپنا کلام پڑھ کر داد وصول کی اس کے بعد اسٹیج کی باری آئی تو مہمان اعزازی جناب ضیاء احمد نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

پاکستان کے بارے میں چند اہم باتیں کیں۔ان کے بعد مہمان خصوصی محترمہ منزہ شاہ نے اپنی دو آزاد نظمیں سنائیں جن کے بعد صدر محفل محترمہ سبینہ سحر نے اپنے چیدہ چیدہ اشعار کر محفل کو خوب گرمایا اور داد وصول کی جس کے بعد آپ نے ایک غزل بھی پیش کی۔چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے لہٰذا امجد مرزا نے تمام مہمانوں شعرا کا شکریہ ادا کیا ایک یادگار گروپ فوٹو بنائی اور سب نے مل کر کرسیاں صوفے اپنی اپنی جگہ رکھے اور آج کے خوبصورت پروگرام کی یاد دل میں بسائے اگلے ماہ کی پہلی اتوار کو ملنے کے وعدے کے ساتھ رخصت ہوئے۔

سرافتخار ایاز اکیڈمی، یوکے، کے زیر اہتمام

عاصی صحرائی کے ساتھ

ایک شام اور مشاعرہ

مورخہ 5 فروری 2023ء بروز اتوار بوقت 4:00 بجے شام

St Boniface Hall Tooting 185 Mitcham Road

London SW 17 9PG

مہمانانِ خصوصی

- مکرم امام عطاء المجیب راشد صاحب
- مکرم مولانا نسیم باجوہ صاحب
- مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب
- مکرم مبارک صدیقی صاحب

شعراء حضرات

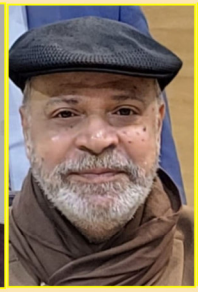

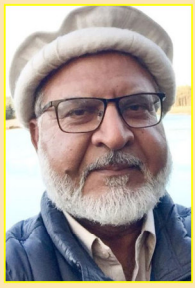

- مکرم امجد مرزا امجد صاحب
- مکرم رانا محمد حسن خان صاحب
- مکرم شائق نصیر پوری صاحب
- مکرم طارق انور باجوہ صاحب

رابطہ: 07886304637

سب کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا جائے گا۔

غزلیات

حمد پاک

ذکی طارق بارہ بنکوی

لفظوں میں کیسے پروؤں تری عظمت اللہ
کس طرح سے کروں آخر تری مدحت اللہ

اپنے محبوب کی امت میں کیا ہے پیدا
مجھ پہ یہ ہے تری سب سے بڑی رحمت اللہ

ہونی کر دینا زمانے کی ہر انہونی کو
صرف اور صرف یہ ہے آپ میں قدرت اللہ

زندگی اور اسے جینے کے تمامی اسباب
تیری ہی تو ہیں عطا اور عنایت اللہ

کیا کرشمہ ہے ترا ایک مرض نے میرے
بخش دی ہے مرے دل کو تری الفت اللہ

باپ ماں بھائی بہن سے بھی نہیں ہو سکتی
اپنے بندوں سے جو تجھ کو ہے محبت اللہ

پھر رہا ہوتا ہر اک در پہ جھکاتا سر کو
جو نہ ملتا ترا در بہرِ عبادت اللہ

لے کے میں نام ترا کرتا ہوں جو کام شروع
اس میں کس درجہ سمو جاتی ہے برکت اللہ

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سوچتا ہوں مدینے کی خوشبو
بالیقیں ہوگی جنتی خوشبو

جس نے سب کچھ بھلا دیا دل سے
کیا صحابہ نے سونگھی تھی خوشبو

اس لئے آنکھوں میں نہیں آئے
یعنی کے تھے مرے نبی خوشبو

ذاتِ سرکار کا ہے سب صدقہ
جو ہے دنیا میں روشنی خوشبو

آتے ہی نام مصطفیٰ لب پر
ذہن و دل میں سما گئی خوشبو

ذکرِ گلہائے شہرِ طیبہ کیا
کانٹوں سے بھی ہے اگ رہی خوشبو

یہ زمیں کیا، ہے عرشِ اعظم پر
ہر سو پھیلی محمدی خوشبو

وردِ صلے علی کی برکت سے
ذہنی آلودگی بنی خوشبو

***

وہ حب جس کی ذکی تمثیل بحرِ بے کراں تک ہے
مال اس کا بھی صد افسوس بس اک داستاں تک ہے

مکاں سے لامکاں تک ہے زمیں سے آسماں تک ہے
ہماری ذات کی وسعت خدا جانے کہاں تک ہے

مری خانہ خرابی پر نہ جا قسمت ہے یہ میری
مری تخئیل کی تعمیر بھائی لامکاں تک ہے

تو پھر کیونکر نہ خوشبو دیں وجود و فن کی میراثیں
علاقہ ہی مرا جبکہ چمن سے گلستاں تک ہے

ملاقاتوں میں تیری والہانہ پن نہیں ملتا
تو کیا تیری محبت محض اے ہمدم زباں تک ہے

گریزاں ہے وہ میرے نام کی پرچھائیوں سے بھی
نہیں معلوم تھا مجھ سے اسے نفرت یہاں تک ہے

نشانہ جس کا بس میرا تنِ نازک ہے اے یارو
رسائی ایسے ہر اک تیر کی اس کی کماں تک ہے

مجھے مت دیکھ تو پرواز کی عظمت پہ رکھ نظریں
مری گردِ سفر تاروں کی دلکش کہکشاں تک ہے

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد زاہد رضا بنارسی

کرنے یہ شہرے مدینہ کا سفر جاتی ہے
آپ کے روضے پہ جیسے ہی نظر جاتی ہے

یہ کرامت تو شہا آپ کے سر جاتی ہے
جا چکی ریل پلٹتی ہے ٹھہر جاتی ہے

کتنی ہی بکھری ہو الجھی ہو یا بگڑی ہو
زندگی جا کے مدینے میں سنور جاتی ہے

وہ ہوا ہی تو ہمیں رکھتی ہے زندہ اے شہا
چھو کے در تیرا جو دنیا میں بکھر جاتی ہے

سوچنے لگتا ہوں جب خلد کی شوکت کو میں
ان کے روضے پہ نظر جاکے ٹھہر جاتی ہے

جب مجاہد سے مرے پڑتا ہے پالا اس کا
موت جی پڑتی ہے اور زندگی مر جاتی ہے

مرحبا بوذر وسلماں کی کہانی سن کر
آتش عشق نبی دل میں بپھر جاتی ہے

کیوں پساروں میں اے "زاہد" بھلا در در دامن
جب مری جھولی اس اک در پہ ہی بھر جاتی ہے

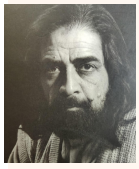

عبید اللہ علیم

اب تو فراقِ صبح میں بجھنے لگی حیات
بارِ الٰہ کتنے پہر رہ گئی ہے رات

جاگے کوئی ستارہ صبح یقیں کہ پھر
سر سے بلند ہوگیا سیل توہمات

ہر تیرگی میں تو نے اتاری ہے روشنی
اب خود اُتر کے آ کہ سیہ تر ہے کائنات

خالد ملک ساحلؔ جرمنی

ہے قحط زمانہ میں بھلے لوگوں کا ساحل
غم کی تصویر اسے بھی تو بناتی ہوں گی
مدھ بھری یادیں اسے بھی تو ستاتی ہوں گی
کبھی تنہائی میں اور شام کے سناٹوں میں
وہ حسیں باتیں اسے بھی تورلاتی ہوں گی
اس کی پلکوں کے دیئے بھی سلگتے ہوں گے
بھیگی برساتیں اسے بھی تو جلاتی ہوں گی
وہ بھی ماضی کے اُجالوں میں بھٹکتا ہوگا
چاندنی راتیں اسے بھی تو جگاتی ہوں گی
تتلیاں اب بھی اسی شاخ سے لپٹتی ہوں گی
اس پہ بے تاب سی پریاں بھی تو آتی ہوں گی

احمد نثار انڈیا

نگاہوں میں جس کی کٹاری رہی
اسی شخص سے خوب یاری رہی
خیالوں کو چھوکر گذرنا ترا
کئی روز تک برف باری رہی
لہو سے بجھاتے رہے پیاس سب
قبیلے میں اک رسم جاری رہی
خلاؤں میں پھرتے رہے شان سے
ہواؤں کے رتھ پر سواری رہی
قناعت کی لَو سرد پڑتی گئی
ہوس کی یہ دنیا پجاری رہی
ہمیشہ لچکتی ہوئی شاخ ہوں
مصیبت میں کب خاکساری رہی
زمانے کے غم تھے مداوا مرا
گئے جب بہت اشکباری رہی
شجر پر پرندوں کا میلہ لگا
علاقے میں پھر چاندماری رہی
جورستہ ستاروں بھرا مل گیا
اسی راہ پر دنیا ساری رہی

محمد علی مضطرؔ پاکستان

تیرے کوچے میں بکھر جاؤں اگر!
حادثہ اک یہ بھی کر جاؤں اگر!
اپنی غزلوں کو سجا کر طشت میں
تیرے دروازے پر دھر جاؤں اگر!
عہد کی تصویر کو کر کے خفا
اس میں کوئی رنگ بھر جاؤں اگر!
میں تیرا ہی عکس ہوں لیکن ترے
پاس سے ہو کر گزر جاؤں اگر!
واپس آجاؤں میں اپنے آپ میں
اپنی آہٹ سے نہ ڈر جاؤں اگر

احمد فراز

کل پرسش احوال جو کی یار نے میرے
کس رشک سے دیکھا مجھے غم خوار نے میرے
بس ایک ترا نام چھپانے کی غرض سے
کس کس کو پکارا دل بیمار نے میرے
یا گرمیٔ بازار تھی یا خوفِ زیاں تھا
پھر بیچ دیا مجھ کو خریدار نیمیرے

مرا پنجاب کنج داسی

شاہ صاحب اٹلی

جدوں داناں دی واہی سی
جدوں پھلیاں دی گاہی سی
جدوں پانی وی چاہی سی
مرا پنجاب کنج دا سی
جدوں چرخے کتیندے سن
جدوں بھورے ڈھوییندے سن
جدوں وٹنے وٹیندے سن
مرا پنجاب کنج دا سی
جدوں پتناں تے میلے سن
جدوں گُرواں دے چیلے سن
جدوں سادھو وی بیلے سن
مرا پنجاب کنج دا سی
جدوں ٹلّہ وی وسدا سی
جدوں راوی وی نسدا سی
جدوں ستلج وی ہسدا سی
مرا پنجاب کنج دا سی
جدوں بیراں تے بَرنے سن
جدوں تہد تے پَرنے سن
جدوں بَھریاں تے گھرنے سن
مرا پنجاب کنج دا سی
جدوں ٹنڈاں تے ٹوپے سن
جدوں بَھنگاں تے گھوٹے سن
جدوں رانجھے دے چھوپے سن
مرا پنجاب کنج دا سی
جدوں ٹلّے تے جوگی سن
جدوں کُھریاں تے کھوجی سن
جدوں دُلّے دے فوجی سن

مرا پنجاب کُنج دا سی
جدوں تھڑیاں تے گھاتی سن
جدوں وطناں دی راکھی سن
جدوں پورس دے ہاتھی سن
مرا پنجاب کُنج دا سی
جدوں وسدا ہڑپّہ سی
جدوں داناں دا ٹھپّہ سی
جدوں پتھر دا چکّا سی
مرا پنجاب کُنج دا سی

ڈاکٹر فرزانہ فرحت لندن

آج حدِ جنوں سے گزر جائیں گے
تیرے دیدار کو طور پر جائیں گے
کون کہتا ہے ہو در بدر جائیں گے
ہم مگر جائیں گے تیرے گھر جائیں گے
اک جھلک بس تری دیکھنے کے لئے
یہ جو عاشق ہیں جاں سے گزر جائیں گے
آئینہ دیکھنے کی ہے فرصت کسے
تجھ کو جب دیکھ لیں گے سنور جائیں گے
تیرے ہمراہ چلنا ہے ہم کو یونہی
تو جدھر جائیگا ہم اُدھر جائیں گے
ہم جو آئیں گے سر پہ کفن باندھ کر
بس تجھے دیکھ کر اک نظر جائیں گے
کس قدر ہم کواپنے پہ ناز آئیگا
تیرے جلوے اگر دیکھ کر جائیں گے
خاک ہیں خاک ہیں تیری دہلیز کی
ہم ترے راستوں میں بکھر جائیں گے
تو سمندر ہے تیرے قریب آ کے ہم
روح تک اپنی سیراب کر جائیں گے
لے کے فرحت کی ساری ہی شادابیاں
تیری محفل سے ہم اٹھ کے گھر جائیں گے

فوزیہ ظہیر پاکستان

نعتِ نبی کا پلا دے ساقی مجھے جام ایسا
گل بھی کریں ناز جس پر پاؤں میں گلفام ایسا
لیتا رہے خم پہ خم پھر زوقِ تمنا مرا بھی
باندھوں طوافِ حرم پر میں بھی تو احرام ایسا
پیمانہ لبریز کردے میرے بھی عشق و وفا کا
مدہوش کر دے مجھے جو میں پھر پیؤں جام ایسا
تسنیم کا وہ بہشتی چشمہ بہادے ادھر بھی
یا رب عطا کر مجھے بھی انمول انعام ایسا
مدغم رہے اسطرح سے مجھ میں ترا پیار سائی
آئے کبھی ہوش ناں پھر تو بخش ادغام ایسا
کافی وشافی دواؤں جیسا سبھی کلفتوں میں
تشنہ لبوں کو عطا کر کوزہ لبِ بام ایسا
متقی ہدایت پہ قائم جس کی بدولت ہوئے ہیں
لائے محمد قسم سے قرآں میں پیغام ایسا

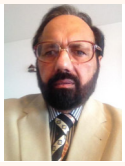

خوش بیانی کے ساتھ

منیر باجوہ

ملی الفت سدا خوش بیانی کے ساتھ
عمر گزری بڑی قدردانی کے ساتھ
آخر وہ منزل کو پالیتے ہیں
عزم جنکا رہے جانفشانی کے ساتھ
جن کا جیؤن محبت سے معمور ہو
پاتے عزت ہیں وہ زندگانی کے ساتھ
عاشقوں کے شب و روز بھی خوب ہیں
سانس چلتی ہے انکی کہانی کے ساتھ
ہر کسی سے رہو اسطرح پیار سے
جیسے بہتا ہے پانی روانی کے ساتھ
اس دنیا میں چلنا کیا اکڑ کے
کرم مولا کا ہو مہربانی کے ساتھ
حُسن ظنی کو دل میں بسانا منیر
دُوریاں بڑھتی ہیں بدگمانی کے ساتھ

حمایت علی شاعر

کرتا ہے آبیاری لہو سے ادیب جو
وہ دل ہے، جسم و جان ہے اردو زبان کا
آئیں رکاوٹیں جو ترقی میں اس کی کچھ
سمجھو یہ امتحان ہے اردو زبان کا
پائے گا جلد منزلِ مقصود بالیقیں
جاری جو کاروان ہے اردو زبان کا
عزت سخنورانِ ادب کی اسی سے ہے
شاعرؔ بھی ترجمان ہے اردو زبان کا

***

یارب رہے سلامت اردو زباں ہماری
ہر لفظ پر ہے جس کے قربان جاں ہماری
مصری سی تولتا ہے، شکر سی گھولتا ہے
جو کوئی بولتا ہے میٹھی زباں ہماری
ہندو ہو پارسی ہو عیسائی ہو کہ مسلم
ہر ایک کی زباں ہے اردو زباں ہماری
دنیا کی بولیوں سے مطلب نہیں ہمیں کچھ
اردو ہے دل ہمارا، اردو ہے جاں ہماری
دنیا کی کل زبانیں بوڑھی سی ہو چکی ہیں
لیکن ابھی جواں ہے اردو زباں ہماری

اپنی زبان سے ہے عزت جہاں میں اپنی
گر ہو زباں نہ اپنی عزت کہاں ہماری
اردو کی گود میں ہم پل کر بڑے ہوئے ہیں
سو جاں سے ہم کو پیاری اردو زباں ہماری
آزاد و میر و غالب آئیں گے یاد برسوں
کرتی ہے ناز جن پر اردو زباں ہماری
افریقہ ہو عرب ہو امریکہ ہو کہ یورپ
پہنچی کہاں نہیں ہے اردو زباں ہماری
مٹ جائیں گے مگر ہم مٹنے نہ دیں گے اس کو
ہے جان و دل سے پیاری ہم کو زباں ہماری
واللہ کیا زباں ہے اردو زباں ہماری
فطرت کی ترجماں ہے اردو زباں ہماری
آبا کی داستاں ہے اردو زباں ہماری
مظلوم کی فغاں ہے اردو زباں ہماری
ہندو بھی بولتے ہیں مسلم بھی بولتے ہیں
دو جسم ایک جاں ہے اردو زباں ہماری
تعمیر کی ہے اس کی خود کو مٹا مٹا کر
اسلاف کا نشاں ہے اردو زباں ہماری
میٹھا اک ایک جملہ پر کیف ہر مقالہ
الحق شکر فشاں ہے اردو زباں ہماری
الفاظ چاند تارے بن کر چمک رہے ہیں
رفعت میں آسماں ہے اردو زباں ہماری
غالبؔ نسیمؔ کیفیؔ چکبستؔ ذوقؔ سرشارؔ
ہر شخص کی زباں ہے اردو زباں ہماری
اک اک کتاب اس کی پھولا پھلا چمن ہے
گلزار بے خزاں ہے اردو زباں ہماری
منشی پریمؔ اس پر ہوتے نہ کیوں تصدق
مانی ہوئی زباں ہے اردو زباں ہماری
ہر آدمی کے دل میں گھر کر رہی ہے شاطرؔ
محبوب مہرباں ہے اردو زباں ہماری

مبارک صدیقی

نظام بدلا نہ غاصبانہ تو جنگ ہوگی
اُٹھا فقیروں کا آب و دانہ تو جنگ ہوگی
میں خار رستوں پہ رقص کرتے پہنچ گیا ہوں
وہ پھول اب بھی گلے لگانہ تو جنگ ہوگی
مرے وطن پر کروڑ جانیں فِدا ہوں میری
اسے جو دیکھے گا جارحانہ تو جنگ ہوگی
اُسے مبارک گلاب بھیجا ہے میں نے خط میں
جواب آیا نہ عاشقانہ تو جنگ ہوگی
میں ہو کے تائب طوافِ کعبہ کو چل پڑا ہوں
بنا رُکاوٹ جو اب زمانہ تو جنگ ہوگی
لہو لہو سی غلام آنکھیں بتا رہی ہیں
حقوق بانٹے نہ منصفانہ تو جنگ ہوگی
غنیم جاں کو ادب سے میرا پیام دینا
تمہیں نہیں راس دوستانہ تو جنگ ہوگی
وہ خوبصورت ہے دلربا ہے مگر مبارکؔ
ہوا نہ دل کا وہ شاعرانہ تو جنگ ہوگی

طفیل عامر

کیا ہے زندگی، یوں اگر نہیں
تیرے آستاں پہ جو سر نہیں
مجھے، جینا مانا عزیز ہے
پر، موت کا بھی ڈر نہیں
تو یہ بات کیوں نہ سمجھ سکے
نہیں کرنا جو، تو وہ کر نہیں
کیوں یہ آنکھ ترسے ہے نیند کو
کیوں قرار دل دم بھر نہیں
تو کاہے بھولے ہے بات یہ
سب کچھ یہ مال و زر نہیں
یہ ہے زندگی بھی عطا بڑی
بے موت، عامر مر نہیں

مبشر احمد راجیکی

اے چشمۂ حیواں آ بھی جا
اے روضۂ رضواں آ بھی جا
اے رحمتِ باری تھام بھی لے
اے نصرتِ یزداں آ بھی جا
اے بادِ بہاری تیز بھی چل
اے بوئے گلستاں آ بھی جا
اے رونق یثرب دیر نہ کر
اے نازشِ فاراں آ بھی جا
اے داورِ محشر بھیج بھی دے
اے ہادیٔ دوراں آ بھی جا
یہ اشک یہ آہ ہیں تیرے لئے
ہم دیدہ براہیں تیرے لئے

فوزیہ ظہیر فضا

خانہ میانوالی نارووال

بڑے دلکش نظارے ہیں نگاہوں نے سجائے پھر
بُری رونق لگی ہے دن یہ جلسے کے ہیں آئے پھر
بڑا ہی خوبصورت ہے دیارِ قادیاں لوگو
زمانے بھر میں پھیلی ہے بہارِ قادیاں لوگو
خزاؤں کی رتوں میں بھی کھلے ہیں پھول گلشن میں
ہویدا ہیں کئی چہرے نگارِ قادیان لوگو
ترے نقشے پہ کنداں ہیں امامِ نور آئے پھر
چلو مانگیں دعائیں یوں خدا سے گڑگڑا کے ہم

چلو دیں حاضری اس بارگہ میں سر جھکا کے ہم
خدا کی رحمتوں کے در کھلے ہیں اب یہاں سارے
چلے آئے یہی امید مولی سے لگا کے ہم
تری بستی کی یہ رونق ہمارا دل لبھائے پھر
بڑی ہے آرزو دل کی کروں میں بھی یہاں سجدے
مجھے بھی کاش لے جائیں مرے بھی یہ وہاں سجدے
تری مٹی کو میں چوموں بڑا ارمان ہے دل کا
ہوئے اس آرزو میں پھر کئی میرے نہاں سجدے
تمنا بھر یہ آئے تو مری یہ جان جائے پھر

بحضور قائداعظم

احمد فراز

پھول روتے ہیں کہ آئی نہ صدا تیرے بعد
غرقِ خوں ہے بہاروں کی ردا تیرے بعد
آندھیاں خاک اُڑاتی ہیں سرِ صحنِ چمن
لالہ وگل ہوئے شاخوں سے جدا تیرے بعد
جاہ ومنصب کے طلبگاروں نے یوں ہاتھ بڑھائے
کوئی دامن بھی سلامت نہ رہا تیرے بعد
جن کو اندازِ جنوں تو نے سکھائے تھے کبھی
وہی دیوانے ہیں زنجیر بپا تیرے بعد
کس سے آلامِ زمانہ کی شکایت کرتے
واقفِ حال کوئی بھی تو نہ تھا تیرے بعد
اب پکاریں تو کسے، زخم دکھائیں تو کسے
ہم سے آشفتہ سرو شعلہ نوا تیرے بعد
پھر بھی مایوس نہیں آج تیرے دیوانے
گو ہر اِک آنکھ ہے محرومِ ضیاء تیرے بعد
راستے سخت کٹھن منزلیں دشوار سہی
گامزن پھر بھی رہے آبلہ پا تیرے بعد
جب کبھی ظلمتِ حالات فضا پر برسی
مشعلِ راہ بنی تیری صدا تیرے بعد

شموئل احمد کی وفات پر تاثراتی مضمون دیتا ہے

پھول مانگیں تو بدلے میں خار دیتا ہے
فقط نگاہوں کی بجلیاں گرائے تو کیا غم
وہ اداؤں کی بے پناہ مار دیتا ہے
ہم ہیں ہماری اس پر اک نہیں چلتی
اور وہ نینوں کے تیر دل میں اُتار دیتا ہے
طفلِ مکتب ہے پھر بھی بدتمیز ہے یارو
وہ مجھے گالیاں سربازار دیتا ہے
گر بھول کر جائیں اُس کی گلی میں احمد
وہ جوش جنوں میں پتھر مار دیتا ہے

شرجیل

دُنیا کوئی بسا لیا موبائل میں
اب چاہت نہیں رشتوں کی
ہر چیز ملتی ہے یہاں پر
اب چاہت نہیں رشتوں کی
کوئی گِلہ کرے کسی بات کا
اب چاہت نہیں رشتوں کی
اے دوست موبائل اے دشمن موبائل
تم دوستی کی چاہت میں دشمنی کی
اب چاہت نہیں ان رشتوں کی
کسی کو برباد دیکھ کر تم ہنسے بہت
اب چاہت نہیں ان رشتوں کی
اب کوئی سمجھانے کی بات کرے
اب چاہت نہیں رہی ان رشتوں کی
کر دیے سب کام موبائل نے
اب چاہت نہیں ان رشتوں کی
تمام فاصلے بڑھ گئیرشتوں کے
اب قدر آئی ان رشتوں کی
جب سب کچھ بچھڑ گیا اے منتظر
اب کیوں ضرورت پڑی ان رشتوں کی
یہ کیسی منزل یہ کیسی ادا واہ بھائی واہ
ہاتھ میں ہوموبائل اب ضرورت رشتوں کی
پھر کیوں آنکھ نم ہے یادوں میں شرجیل
جب نظر ڈالی بیتی زندگی پر قدر آئی ان رشتوں کی

دل کا پیار تم سے

منیر باجوہ

سازو رَباب تم سے ہار و سنگھار تم سے
اے دل کے یار جانی لیل و نہار تم سے
ہر دم ہے بیقراری بِن تیرے کیسی یاری
جیوَن شباب تم سے دل کا پیار تم سے
تیرے بغیر ساقی نہ میکدہ ہے باقی
جام و سبو بھی تم سے مَے کا خمار تم سے
اجڑے ہوئے چمن میں دِکھتا نہیں ہے کچھ بھی
ہر سُو تمہیں سے رونق ہر سُو بہار تم سے
کیسی مصوری ہے کیسے ہیں بیل بُوٹے
سب کچھ لگے بے معنی نقش و نگار تم سے
راتوں کے خواب تم سے دن کے خیال تم سے
میرے ویران دل میں باغ و بہار تم سے
اس بات کو سمجھنا ہرگز نہ بھول جانا
یہ منیر دل حزیں بھی ہے دلفگار تم سے

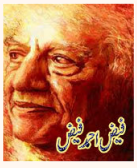

فیض احمد فیض

اے نئے سال بتا تجھ میں نیا پن کیا ہے
ہر طرف خلق نے کیوں شور مچا رکھا ہے
روشنی دن کی وہی تاروں بھری رات وہی
آج ہم کو نظر آتی ہے ہر ایک بات وہی

آسمان بدلا ہے افسوس نا بدلی ہے زمیں
ایک ہندسے کا بدلنا کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہونگے قرینے تیرے
کسے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
جنوری فروری مارچ میں پڑے گی سردی
اور اپریل مئی جون میں ہو گی گرمی
تیرا من دہر میں کچھ کھوئے گا کچھ پائے گا
اپنی میعاد بسر کرکے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا صبح نئی شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی
بے سبب لوگ کیوں دیتے ہیں مبارک بادیں
غالباً بھول گئے وقت کی کڑوی یادیں
تیری آمد سے گھٹی عمر جہاں سے سب کی
فیضؔ نے لکھی ہے یہ نظم نرالے ڈھب کی

شمشاد احمد چوہدری

نئے سال کے آنیوالے لمحوں میں
چلو مل کر اک کام کرتے ہیں
گزرے ہوئے حالات کو بھلا کر
اک نیا آغاز کرتے ہیں
بھلا کر رنجشیں ساری
محبت کے رستے ہموار کرتے ہیں
لگا کر سینے سے سب کو
دل اپنے صاف کرتے ہیں
محو ہو دنیا جب عیاشی کی رسموں میں
اک سجدہ اپنے ربّ کے نام کرتے ہیں
اطاعتِ خلافت کے سائے میں
سب مل کر دُعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں
نئے سال میں چلو اک کام کرتے ہیں
مٹا کر نفرتوں کو محبت کو عام کرتے ہیں

نصیر احمد۔ ملائیشیا

چلو پھر آج سے نیا اک سلسلہ آغاز کریں
حبیب کبریا سے یہ دست دعا دراز کریں
نئی اک جہد مسلسل کا باندھ کر پیماں
باادب اس سے کچھ عجز اور نیاز کریں
جھکا کے اپنی جبینوں کو در پہ مولا کے
شور پیہم سے نیا پھر کوئی اعجاز کریں
جھکے رہیں یوں ہی مالک کے در پہ سدا
گریہ زاری سے پھر اس کا دل گداز کریں
مسیح پاک سے اپنی وفا کے گلشن سے
نئی نسل کو بھی ایسا ہی سرفراز کریں

نثار باجوہ، ٹورانٹو

دیوار و در کو دیکھ کے رویا ہوں آج میں
ماں کے گھر کو دیکھ کے رویا ہوں آج میں
آنکھوں کے سامنے ہے ماں باپ کا یہ گھر
اِسے بار بار دیکھ کے رویا ہوں آج میں
مکیں نہ رہے تو مکاں بھی نہ رہا
اِسے خستہ حال دیکھ کے رویا ہوں آج میں
وہ شبنمی سی شامیں وہ بھلے بھلے سے لوگ
اُن چہروں کو نہ دیکھ کے رویا ہوں آج میں
گئے دنوں کی یاد نے پُژ مُردہ کر دیا
اداس رُت کو دیکھ کے رویا ہوں آج میں
خوشبو سمٹ کے آئی تو یادیں ہوئی جواں
اپنے نگر کو دیکھ کے رویا ہوں آج میں
نثارؔ بیٹھ جا ذرا قدموں کی چاپ سُن
اِس خاک پا کو دیکھ کے رویا ہوں آج میں

اطہر حفیظ فراز

آنکھ روتی رہی، دل برا نہ کیا
غم چھپانے کا پھر اک بہانہ کیا
چاند تاروں سے بھر دی اگر مانگ بھی
اس قدر ناز پہ اکتفا نہ کیا
تو غزل بن کے ڈھلتی گئی انکھ میں
ہم نے نظروں کو جب شاعرانہ کیا
ہم نے دل کے اثاثے چھپا کے رکھے
وار ظالم نے تھا جارحانہ کیا
دل جگر وار ڈالا، فدا ہو گئے
عشق جب بھی کیا، والہانہ کیا
لوگ مجھ سے تری بات کہنے لگے
ذکر تیرا مگر غائبانہ کیا
ضبط نے آنسوؤں کو جکڑ کے رکھا
غم نے حملہ بھلے قاتلانہ کیا
شاعری ہوگئی نوکری کی طرح
سلسلہ آمدن کا ماہانہ کیا
ایک لمحے بھی صدیوں سا لگنے لگا
یار کو جب اچانک روانہ کیا
دل کو انمول موتی کہا ہے فراز!!
لے، حوالے تیرے یہ خزانہ کیا

محمد ولی صادق

مزدور سے لے کر حاکم کے، اعمال پہ رونا آتا ہے
مکّار، فریبی، چوروں نے اس دیس کو مل کر لوٹا ہے

اس دیس کا ہر اک لیڈر تو غدّار، منافق، جھوٹا ہے
اس دیس کا حاکم بہنوں کو دشمن کے حوالے کرتا ہے
ایمان کے سودے کر کر کے رشوت سے تجوری بھرتا ہے
قاضی نے قلم کو بیچا ہے، ہر روز لکھاری بِکتے ہیں
فنکار، صحافی اور شاعر، سب باری باری بِکتے ہیں
آواز کو یاں مظلوموں کی ہر روز دبایا جاتا ہے
اور فیصلہ مجرم کیحق میں پھر کھل کے سنایا جاتا ہے
ہر گھر میں یوں باتوں باتوں میں تلوار نکالی جاتی ہے
ہر روز یہاں اک دوجے کی دستار اُچھالی جاتی ہے
ہر چوک پہ اور ہر دفتر میں غدّار ہیں رشوت خوری ہے
گر جیب میں پیسے ہوں تیرے ہر کام کی پھر منظوری ہے
افسوس طوائف کو ہر دن تمغوں سے نوازا جاتا ہے
صد حیف نبی کے عاشق کو سولی پہ چڑھایا جاتا ہے
ہر روز عبادت گاہوں کی دیوار گرائی جاتی ہے
ہر روز یہاں پر مسجد ہی مسمار کرائی جاتی ہے
اس دیس کے کوچے کوچے میں ہر گھر میں فاقہ ہوتا ہے
دن بھر جو مشقّت کرتا ہے وہ رات کو بھوکا سوتا ہے
اس دیس میں ماؤں بہنوں کو نیلام کرایا جاتا ہے
اجسام فروشی کی خاطر کوٹھے پہ بٹھایا جاتا ہے
ہر راہ میں بھیڑیئے ہیں، ہر آن یوں ہی غُرّاتے ہیں
تاریخ یوں قتل و غارت کی، ہر روز نئی دہراتے ہیں
ہر روز یہاں پر زینب اور فریال کا لاشہ ملتا ہے
یوں ظلم و ستم کا دیکھنے کو ہر روز تماشا ملتا ہے
اس دیس کی سوئی قسمت اور احوال پہ رونا آتا ہے
مزدور سے لے کر حاکم کے، اعمال پہ رونا آتا ہے

ساجن کی خوشبو

وادی میں گھنے پیڑوں کے تلے
سبزے کی ملائم چادر ہو
اور اس پر تھرکتی شبنم ہو
خوشبو کا اُجالا پھیلائے
پھولوں کے دمکتے بادل ہوں
ہر سمت اڈتے بادل ہوں
اور شام کا رنگیں منظر ہو
جب جوبن پر ہو حسنِ چمن
یہ رنگِ چمن بھی کمتر ہے
میرے ساجن کی خوشبوں سے
جو میں نے پیار میں پائی ہیں
(عربی شاعر اعشی سے ماخوذ)

شفیق مراد

درد میں ڈوبی ہوئی اک داستاں کا اِقتباس
اس کے چہرے پر لکھا ہے کس جہاں کا اقتباس
خود ہی آجانا دریچہ درد کا تم کھول کر
خود ہی لکھنا صفحہ، دل پر زباں کا اِقتباس
ہجرتوں میں ہجر کا ساماں ہوا جب وہ ملا
نارسائی ہی رہی عمرِ رواں کا اِقتباس
تھے کتابِ زندگی پر نام دونوں کے لکھے
بن گیا میں داستاں وہ داستاں کا اقتباس
کر رہا ہے خود کو وہ منسوب میرے نام سے
لکھ رہا ہے عشق کے بارِ گراں کا اقتباس

ممتاز ملک

جو چاہا تھا تو نے تجھے وہ ملا ہے
طلب مال و زر کی نہیں تھی نظر کی
جو قدرت سے لڑ کر جہاں کو بسائے
اسے قدر کیا ہو کسی چشمِ تر کی
ہو ں جن کی تمنا میں افلاک رقصاں
انہیں کیا ضرورت زمینوں پہ گھر کی
میرا ایسا کوئی وسیلہ نہیں ہے
مجھے دے خبر جو تمہارے نگر کی
فقیروں کے دن رات سب سے جدا ہیں
وہ کرتے نہیں ہیں فکر عمر بھر کی
ہمارا توّکل ہماری ہے دولت
کبھی غم نہ کرنا ہماری گزر کی
جو اپنی خودی کو خودی دفن کر دے
اسے کیا فکر گمشدہ رہگزر کی
جنہیں کوئی بیچے یا کوئی خریدے
انہیں کیا بتاتے ہو قیمت سفر کی
سنبھالا نہیں جاتا تم سے یہ گھر بھی
چلے بات کرنے کہاں کا شغر کی
جو کانٹوں سے ممتاز دھرتی سجا دیں
وہ کیسے کریں گے تمنا شجر کی

ایم زیڈ کنول (لاہور)

ظلمتوں کو سحاب کر ڈالا
ہم نے اپنا حساب کر ڈالا
نغمگی روح میں رچی ایسی
وحشتوں کو رباب کر ڈالا
آگہی کے نقاب میں آکر
جہل نے بے حجاب کر ڈالا
عشق ہی رہ گیا تھا کرنے کو
وہ بھی اب بے حساب کر ڈالا
تلخیاں جامِ جم بنانے کو
زندگی کو شراب کر ڈالا

مذہبِ دوستاں کے دامن میں
ہر عقیدہ حباب کر ڈالا
ولولے کس قدر کنول کے ہیں
آبِ جو کو سراب کر ڈالا

ڈاکٹر رحمان دانش

(شہدادپور سندھ)

چھین لی اس نے ہر خوشی سائیں
گھر میں پانی کی ہے کمی سائیں
نوکری کی کرو سفارش تم
چھوڑ دوں گا تری گلی سائیں
عیش رشوت کے مال پر کر لو
چار دن کی ہے زندگی سائیں
پاسباں چہر کا ہوا غافل
چار سو ہے ابتری ائیں
پارٹی اپنی جیت جائے تو
پھر تو پکی ہے افسری سائیں
آپ کے پاس یہ جو بیٹھا ہے
اس سے بچیئے ہے مطلبی سائیں
جرم دانشؔ کسی کا کچھ بھی ہو
چند پیسوں میں ہے بری سائیں

ڈاکٹر محمد اشرف کمال (بھکر)

سینکڑوں آنکھیں اگ آئیں مرے شہکار پہ اب
انگلیاں اٹھیں گی سب کی ترے فنکار پر اب
ابنِ مریم کی طرح کوئی شہادت اے
اس نے پھر وار کیا ہے مرے کردار پہ اب
ایک بھی چاند نہیں اب تو دیارِ دل میں
شبِ غم بیٹھ گئی ہے در و دیوار پہ اب
دیکھنا تم کو مگر مل نہیں سکتا تم سے
چلنا مشکل ہے دو دھار کی تلوار پہ اب
مورچہ بند ہوا خوف سے دُشمن میرا
ایک بھی شخص نہ نکلا میری للکار پہ اب
المیہ یہ ہے کہ خود چور ہی بیٹھے ہیں کمالؔ
پہرہ دینے کے لئے شہر کی دیوار پہ اب

ایم زیڈ کنول، لاہور

تمہاری یاد کا دفتر کھلا ہے
حریمِ چشم میں گو ہر کھلا ہے
بٹھائے تھے جہاں نفرت نے پہرے
محبت کا وہیں تو در کھلا ہے
درِ عرفان کی اگلی گلی میں
چلے آو کہ اک مندر کھلا ہے
کنول کی کہکشاوں سے نکل کر
وہ جھیلوں میں درِ اختر کھلا ہے

ساحل سلہری، سیالکوٹ

پاس رکھا نہ فاصلہ رکھا
آپ نے کیسا رابطہ رکھا
وہ عجب شخص ہے بچھڑ کر بھی
آنے جانے کا سلسلہ رکھا
مجھ کو تنہائیاں عطا کر کے
اپنے دامن میں قافلہ رکھا
میں تو خوش تھا بہت محبت میں
آپ نے کیوں مغالطہ رکھا
عشق میں اس نے انتہا کر کے
واپسی کا بھی راستہ رکھا
میری بھر پور زندگانی میں
ہجر موسم نے حادثہ رکھا
ایسا پتھر مزاج تھا ساحلؔ
عمر بھر ہم کو پارسا رکھا

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

بد دعا اس کی ہے دُعا جیسی
بے وفائی بھی ہے وفا جیسی
اس پہ الزامِ میکشی کیوں ہے
شکل اس کی ہے پارسا جیسی
آپ اپنی مثال ہے وہ خود
کوئی شے ہی نہیں خدا جیسی
زہر کی شکل میں سیماب
کوئی شے دے گیا دوا جیسی
کشتیاں غرق کرنے والے کیوں
شکل رکھتے ہیں ناخدا جیسی
رہزنِ وقت اے منورؔ اب
بات کرتا ہے رہنما جیسی

کیجئے شرمندہ تعبیر سرسید کے خواب

جس سے ان کے کارنامے ہر طرف ہوں جلوہ گر
ہے ضروری علم کی ترویج ازروئے حدیث
علم ہی دراصل ہے نخل سعادت کا ثمر
اک زمانہ تھا کہ اپنا دبدبہ تھا ہر طرف
''نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر''
ابن رازی تھا کوئی کوئی عمر خیام تھا
ہوگئے ناپید اب کیوں ہم میں ایسے دیدہ ور

کیجئے برقی خدارا آپ اس کا احتساب
تاکہ ہو نسل جواں علم و ہنر سے بہرہ ور
علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی تاسیس کی صد سالہ تقریبات
اور اس کی علمی و ادبی خدمات پر منظوم تاثرات

محمد مجید اللہ

ہوگئی اے ایم یو کی تاسیس کی پوری صدی
ضوفگن ہے علم کی جس سے جہاں میں روشنی
جاری و ساری ہے سرسید کا یہ علمی مشن
ملک و ملت کے لئے تھی وقف جن کی زندگی
ہے یہ دانشگاہ فکروفن کا دلکش اتصال
بخشتی ہے اہل دانش کو جو عصری آگہی
اس کی ہیں خدمات ارباب نظر پر آشکار
''قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری''
ہے یہ دانشگاہ وہ سرچشمہ عصری علوم
جس کی عصری معنویت کم نہیں ہوگی کبھی
ہے یہ سرسید کی عملی زندگی کا شاہکار
ان کے خوابوں کی حسیں تعبیر ہے جو آج بھی
ہے جو سرسید کی ہر تحریر اور تقریر میں
گونجتی ہے وہ علی گڈھ میں نوائے سرمدی
آسمان علم و دانش پر خدا کے فضل سے
ہو علی گڈھ کے ستاروں کی درخشاں روشنی

احمد علی برقی اعظمی

جشن سرسید منانا بھی ضروری ہے مگر
قومی و ملی مشن بھی ان کے ہوں پیش نظر
اس کی عصری معنویت آج بھی ہے برقرار
جس ضرورت کے لئے کوشاں رہے وہ عمر بھر

گلشن بیابانی

بس اسلئے خلا میں وہ محوِ اُڑان تھے
''محفل میں انکی آج کئی آسمان تھے''
مکرو فریب سے بھرے اُنکے بیان تھے
جنکی جبیں پہ سجدوں کے کالے نشان تھے
حق بات جن کو کرنی تھی ،افسوس، دوستو
وہ بھی رہے خموش، جو شعلہ بیان تھے
دیکھو، اَنا کو طاق پہ رکھتے ہی یہ ہوا
سب مِٹ گئے ہیں فاصلے ، جو درمیان تھے
سائے سے آپ اپنے ہی ڈرنے لگے تھے ہم
جب تک اسیر پنجرہِ وہم و گمان تھے
گزرے ہے اب تو عمر مسائل کی دھوپ میں
والد تھے گویا سر پہ مرے سائبان تھے
کانٹوں کی طرح جنکا صفایا کیا گیا
گلشن کی آبرو کے وہی پاسبان تھے

انصر رضاؔ

ہیں ان کی آنکھوں سے مدہوش سب شراب سے کم
جہاں میں روشنی اس سے ہے آفتاب سے کم
مرے طبیب کچھ ایسی کرو مسیحائی
کہ مجھ کو چین ملے لیکن اضطراب سے کم
مری کتاب حیات اس کے نام سے منسوب
گو داستاں ہے مری لیکن انتساب سے کم
میں کاروبارِ محبت میں سرخرو ہی رہا
اگرچہ کھویا زیادہ ہے دستیاب سے کم
گو چاہتا تھا مجھے پر تھا خوفِ رسوائی
وہ مجھ سے ملتا رہا لیکن اجتناب سے کم
مجھے ہی جرمِ محبت پر کیوں ملے تعزیر
اسیر عشق تھا میں بھی پرآنجناب سے کم
رضاؔ ہے دید کا مشتاق اور کچھ بھی نہیں
کرم سے دیکھتے رہیے اسے عتاب سے کم

اسماء خواج صباؔ

ہمیشہ اپنے دل میں پھول الفت کا کِھلا رکھنا
بچا کر نفرتوں سے اپنا دامن تم سدا رکھنا
محبت میں بھی اِن کی کچھ سیاست ہوتی ہے پنہاں
''بڑے لوگوں سے ملنے میں ذرا سا فاصلہ رکھنا''
وہ اپنی جان بھی قربان کر دیں دین کی خاطر
ہمارے بچوں میں مولا! تو ایسا حوصلہ رکھنا
بھلے خاموش رہنا پر نہ جاہل سے الجھنا تم
ہو اہلِ علم، تو معیار بھی اپنا جدا رکھنا
وطن کی آبرو مل کر بچانی ہے بہر صورت
ہمیں اسلاف سا دل میں ہے اپنے حوصلہ رکھنا
جہاں جائے ترے کردار کی خوشبو سے مہکیں سب
بنا کر خود کو سچائی کا ایسا آئینہ رکھنا
مری یہ خوش نصیبی ہیمرا دشمن بھی زندہ ہے
خدایا تو اُسے اپنی حفاظت میں سدا رکھنا
جنابِ فاطمہ کے ساتھ جو جنت میں جائیں گی
مِرا بھی نام شامل اُن میں اے میرے خدا! رکھنا
سبھی کے بخت میں ہوتی نہیں ماں باپ کی خدمت
دعا اِن کی سجا کر اپنے دامن میں صباؔ رکھنا

ناصرہ منیرہ

دور کر میرا تو ہر درد مولا
میں ہوں تیرا اک عاجز فرد مولا

مرض میرا کچھ نہیں تیرے آگے
لپٹ گئی ہے اک چادر زرد مولا
حواس میں رکھنا قائم مجھے ہر دم
کھو نہ دوں کہیں ہوش و خرد مولا
مرض نہیں کوئی ایسا بھی جہاں میں
مانگے ہے شفاء ہر عورت و مرد مولا
حبس میں بھی ہے تیری جلوہ گری
حسیں ہے ہر رُت گرم و سرد مولا
برساتا ہے ابرِ کرم اس وقت جب
اڑتی ہے خشک موسم میں گرد مولا
نصیب ہو سدا کامیابی و کامرانی
بنائے رکھنا مجھے تُو نَرد مولا
راضی برضا رہنا عاصی منیرہ پہ تُو
رہنا سدا تو میرا ہمدرد مولا

محسن نقوی

آوارگی میں محسن اس کو بھی ہُنر جانا
اقرار وفا کرنا، پھر اس سے مُکر جانا
جب خواب نہیں کوئی، کیا عمر کا طے کرنا
ہر صبح کو جی اُٹھنا، ہر رات کو مر جانا
شب بھر کے ٹھکانے کو، اک چھت کے سوا کیا ہے
کیا وقت پہ گھر جانا، کیا دیر سے گھر جانا
ایسا نہ ہو دریا میں، تم بارِ گراں ٹھہرو
جب لوگ زیادہ ہوں، کشتی سے اُتر جانا
سقراط کے پینے سے کیا مجھ پہ عیاں ہوتا
خود زہر پیا میں نے، تب اس کا اثر جانا
جب بھی نظر آؤ گے، ہم تم کو پکاریں گے
چاہو تو ٹھہر جانا، چاہو تو گزر جانا

اردو کی ڈولی

شاہد محمود خان

اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
ارمان جو دل کے تھے بڑے مان سے نکلے
ہر جانِ حزیں نرغہ احزان سے نکلے
ہر اہل زباں خوف سے، ہیجان سے نکلے
ہر لب سے عروسہ کی طرح، آن سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
اردو کو سجانے چلے ابنائے سمرقند
مامور ہوئے روح قدس اور ہنر مند
اردو کی ترقی کا زمانہ ہے بہر چند
تعریف میں مصروف ہیں اب اس کی خردمند
فتنوں کے جو ادوار تھے آسان سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
احسان ہوا اس پہ مسیحائے زماں کا
الدار سے پروانہ ملا اس کو اماں کا
پھر درجہ ملا اس کو خداوند کی زباں کا
دل شاد ہوا ریختہ ء گریاں کناں کا
جبریل لئے اس کو جو ارمان سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
مہدی کی خبر دی ہمیں اس پیارے نبی نے
بانٹے گا خزانے جو نہ بانٹے ہوں کسی نے
اردو میں ہیں پیارو! وہ جواہر وہ نگینے
صد شکر زمانے میں وہ پائے ہیں ہمیں نے
اب اس میں بسے نور جو قرآن سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
اے میرؔ! مبارک کہ دلہن ہو گئی آباد
غالبؔ جی سنوسن کے خبر تم بھی رہو شاد
اے ذوقؔ تمھیں کہتے ہیں اردو کے ہو استاد
اب تا بہ ابد کر نہ سکے گا کوئی برباد
اوہام تھے جتنے دل نادان سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
اے تاج محل چشم تصور میں ہو رقصاں
اے قلعہ شاہی تو مسرت سے ہو تاباں
اب اُودھ کی مٹی سے ہمارا ہے یہ پیماں
آباد ہمیشہ ہی رہے گا یہ گلستاں
اب اس کو جو چھوڑے تو وہ ایمان سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
اردو میں سجی محفل قرآن و سنن ہے
اسرار و معارف کا کھلا اس میں چمن ہے
گو عشق مجازی کا یہاں اثر کہن ہے
پر عشق حقیقی سے ہی اب جان سخن ہے
سب رنگ ہیں اردو کے دبستان سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
اب کوئی نہ کہوے کہ کہاں کھو گئی اردو
اب عالم بالا کی زباں ہو گئی اردو
جب سخن مسیحائے زماں ہو گئی اردو
برکات کا اک زندہ نشاں ہو گئی اردو
روحانی خزائن بھی اسی کان سے نکلے
اردو کی یہ ڈولی ہے ذرا شان سے نکلے
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا

جبیں نازاں

دل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
''عشق پہ زور چل نہیں سکتا''
من میں اک بار کوئی بس جائے

وہ نکالے نکل نہیں سکتا
مجھ کو ٹکڑے ہزار ہونا ہے
اور وہ پتھر پگھل نہیں سکتا
چھت پہ جب تک نہ یار آ جائے
چاند پاگل نکل نہیں سکتا
اب یہ وعدہ وعید رہنے دو
روز بہلاوا چل نہیں سکتا
یار جتنا بدلتا رہتا ہے
آہ! موسم بدل نہیں سکتا
اک روش پہ چلی ہے یہ دنیا
راہ منکر بدل نہیں سکتا؟
اس کے رنگ میں تو رنگنا ہے مجھ کو
مجھ میں نازاں وہ ڈھل نہیں سکتا

عاصی صحرائی

اے ماہِ بے مثال، تجھ سے پیار ہے
اے نازشِ غزال، تجھ سے پیار ہے
کیا ہجر کیا وصال، تجھ سے پیار ہے
تو ہی گزشت و حال، تجھ سے پیار ہے
بے مثل و با کمال، تجھ سے پیار ہے
اے پیکرِ جمال، تجھ سے پیار ہے
تضحیک یا وبال، تجھ سے پیار ہے
واعظ کو ہے ملال، تجھ سے پیار ہے
آئے تصوّرات میں تیرے سوا، کوئی
کس کی ہے یہ مجال، تجھ سے پیار ہے
وجہِ خروجِ آدمِ خاکی ہے خلد سے
یا ہے پسِ قتال، تجھ سے پیار ہے
ساقی شراب و جام سبھی روپ ہیں تیرے
اے محورِ خیال تجھ سے پیار ہے
نوکِ زبانِ شیخ، سرِ بزم ہے تو کیا
تمہیدِ قیل و قال، تجھ سے پیار ہے
ہر لمحہ زندگی کا، تیری نذر تیرے نام
ترتیبِ ماہ و سال، تجھ سے پیار ہے
خود رفتگی، وفورِ عقیدت، جنونِ عشق
منجملہ سوال تجھ سے پیار ہے
کہتے ہیں عاصیؔ، تیری اداؤں سے ہے
یک گونہ احتمال، تجھ سے پیار ہے

شائق نصیر پوری

افکار میں ہے پیاس کا سورج چڑھا ہوا
آنکھوں کے ریگزار میں پانی بھرا ہوا
دِل کھول کر میں اپنا دکھاؤں کسی کو کیا ؟
اِس میں ہے ایک راز امانت پڑا ہوا
اُس کو لگا سُخن ہے مِرا بوند کی طرح
حالانکہ میں نے ساگرِ الفت پیا ہوا
اُس کی زباں سے طنز کی بارش ہے تیز تر
میں نے لبوں میں درد کا بادل سیا ہوا
جب سے شِکست دے گئیں تنہائیاں مجھے
انساں ہوں، اب جِنّات میں ہر دم گھِرا ہوا
شائقؔ میں اک فقیر ہوں مجھ سے بھی شاہ نے
اللہ کے ہے نام پہ قرضہ لیا ہوا

بشارت ریحان

دیکھا میں نے ہر طرف کو نامہ بر کوئی نہ تھا
ما سِوا میرے ، وہاں پر دیدہ تر کوئی نہ تھا
لمبے چوڑے سلسلے تھے یوں تو کائنات کے
اس بھری دنیا میں لیکن اصلی گھر کوئی نہ تھا
جل رہا تھا کب سے میں اس چلچلاتی دھوپ میں
مجھ پہ سایہ کرتا جو ایسا شجر کوئی نہ تھا
میں تو ہوتا ہی رہا قربان سب کے واسطے
جب کبھی مشکل بنی میرا مگر کوئی نہ تھا
جس طرف بھی دیکھا میں نے دیکھتا ہی رہ گیا
سب ہنر والے تھے، مجھ سا بے ہنر کوئی نہ تھا
چپہ چپہ چھان مارا سر جھکانے کو ریحانؔ
جتنا عالی ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا در ہے، ایسا در کوئی نہ تھا

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

آج حدِ جنوں سے گزر جائیں گے
تیرے دیدار کو طور پر جائیں گے
کون کہتا ہے ہو در بدر جائیں گے
ہم مگر جائیں گے تیرے گھر جائیں گے
اک جھلک بس تری دیکھنے کے لئے
یہ جو عاشق ہیں جاں سے گزر جائیں گے
آئینہ دیکھنے کی ہے فرصت کسے
تجھ کو جب دیکھ لیں گے سنور جائیں گے
تیرے ہمراہ چلنا ہے ہم کو یونہی
تو جدھر جائیگا ہم اُدھر جائیں گے
ہم جو آئیں گے سر پہ کفن باندھ کر
بس تجھے دیکھ کر اک نظر جائیں گے
کس قدر ہم کو اپنے پہ ناز آئیگا
تیرے جلوے اگر دیکھ کر جائیں گے
خاک ہیں خاک ہیں تیری دہلیز کی
ہم ترے راستو ں میں بکھر جائیں گے
تو سمندر ہے تیرے قریب آکے ہم
روح تک اپنی سیراب کر جائیں گے

لے کے فرحت کی ساری ہی شادا بیاں
تیری محفل سے ہم اٹھ کے گھر جائیں گے

نصیر احمد ملائشیا

کیا حال سنائیں دُنیا کا

کیا بات بتائیں لوگوں کی
دنیا کے ہزاروں موسم ہیں
لاکھوں ہیں ادائیں لوگوں کی!!
کچھ لوگ کہانی ہوتے ہیں،
دنیا کو سنانے کے قابل
کچھ لوگ نشانی ہوتے ہیں،
بس دل میں چھپانے کے قابل
کچھ لوگ گزرتے لمحے ہیں،
اک بار گئے تو آتے نہیں
ہم لاکھ بلانا بھی چاہیں،
پرچھائی بھی انکی پاتے نہیں
کچھ لوگ خیالوں کے اندر،
جذبوں کی روانی ہوتے ہیں
کچھ لوگ کٹھن لمحوں کی طرح،
پلکوں پہ گرانی ہوتے ہیں
کچھ لوگ سمندر گہرے ہیں،
کچھ لوگ کنارا ہوتے ہیں
کچھ ڈوبنے والی جانوں کو،
تنکوں کا سہارا ہوتے ہیں
کچھ لوگ چٹانوں کا سینہ،
کچھ ریت گھروندہ چھوٹا سا
کچھ لوگ مثال ابر رواں،
کچھ اونچے درختوں کا سایہ
کچھ لوگ چراغوں کی صورت،
راہوں میں اجالا کرتے ہیں
کچھ لوگ اندھیروں کی کالک
چہرے پر اچھالا کرتے ہیں
کچھ لوگ سفر میں ملتے ہیں،
دو گام چلے اور رستے الگ
کچھ لوگ نبھاتے ہیں ایسا،
ہوتے ہی نہیں دھڑکن سے الگ
کیا حال سنائیں اپنا تمہیں،
کیا بات بتائیں جیون کی۔؟
اک آنکھ ہماری ہستی ہے،
اک آنکھ میں رت ہے ساون کی
ہم کس کی کہانی کا حصہ،
ہم کس کی دعا میں شامل ہیں۔؟
ہے کون جو رستہ تکتا ہے،
ہم کس کی وفا کا حاصل ہیں۔؟
کس کس کا پکڑ کر دامن ہم،
اپنی ہی نشانی کو پوچھیں
ہم کھو گئے کن راہوں میں،
اس بات کو صاحب جانے دیں
کچھ درد سنبھالے سینے میں،
کچھ خواب لٹائے ہیں ہم نے
اک عمر گنوائی ہے اپنی،
کچھ لوگ کمائے ہیں ہم نے
دل خرچ کیا ہے لوگوں پر،
جان کھوئی ہے غم پایا ہے
اپنا تو یہی سرمایہ ہے

امجد مرزا امجدؔ

نہ میرے لئی توں، نہ تیرے لئی انجان ساں
کجھ تے سوچ کے جاندا، میں وی تے انسان ساں
تُوں تے جا کے اپنے لئی نئی دنیا وی وسا لئی
میں تینوں سمجھ نہ سکیا، کیڈا کوئی انجان ساں
جھولی بھر بھر دتا تینوں، کدھرے تھوڑ نہ کیتی
ہن میں سوچاں، ربا میریا! کم عقل یا مہان ساں
سچے دل نال پیار کیتا سی، کدی کوئی گل نہ سوچی
ساڈی جوڑی انج دی سی توں تیر تے میں کمان ساں
بند اکھاں کرکے یاری لائی، نہ جانچ کیتی نہ پرکھ کیتی
سدا بھروسہ اللہ دا، امجدؔ میں تے پُر ایمان ساں

راجہ اسلم نارمہ

(باغ آزاد کشمیر)

سورج نہیں تو کیا میں رنگِ سحر تو ہوں
شاخِ گلاب اگر نہیں شاخِ شجر تو ہوں
اس دور کا مسیحا کہو مجھ کو تم کہ میں
کام آوں نہ کسی کے مگر بے ضرر تو ہوں
منزل نہیں ملی تو مجھے اس کا غم نہیں
میں اس کی جانب آج بھی محوِ سفر تو ہوں
اتنا ہے حق مرا، تری تاثیر میں رہوں
تجھ سا نہیں ہوں میں، ترے شیر اثر تو ہوں
جس نے کہ سیپیوں میں اجالے سے بھر دئے
میں وہ گہر نہیں ہوں پر آبِ گہر تو ہوں

عاصی صحرائی

تذکرے میں ہی کہیں آیا مگر نام آیا
کس جریدے مری مشہوری کا پیغام آیا
آگیا تھا تو اسے جانے میں کیسے دیتا
صبح آیا نہیں گو آیا سرِ شام آیا
تحفتاً اس نے جو بھیجا میں ہوا خوش اور پھر
میں نے پیا تھا مرے نام کا جو جام آیا
مجھے مزدوری نہ ملتی تھی مگر اب اے دوست
شاہی محلوں سے مرے واسطے ہر کام آیا
پیار کی ہار تھی سو مجھ پہ لپیٹا تھا کفن
جسم پر ایسے تھا کہ جیسے یہ احرام آیا
میں نے پھینکا تھا تمہارے لئے جو جال مگر
اپنے پاؤں میں ہی پھینکا ہوا وہ دام آیا

آہ طفیل خلش !

امجد مرزا امجدؔ

جرمنی میں مقیم پنجابی کے بہت عظیم شاعر طفیل خلش بھی پچھلے دنوں انتقال فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے اوران کے اہل وعیال اورتمام دوست احباب کوصبر جمیل عطا فرمائے ۔آمین

بہت پرانی بات ہے طفیل خلش لندن تشریف لائے ان دنوں والتھم فاریسٹ کے سابقہ میئر بوگل سنگھ گرین سٹریٹ کے قریب سکھوں کے ایک مدرسے میں ماہانہ مشاعرہ کیا کرتے تھے۔میں اورراجہ الیاس صاحب وہاں گئے۔توطفیل خلش صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی آپ نے مجھے اپنا شعری مجموعہ بھی عطا کیا۔سکھ گروپ میں سینئر شعرا کو پہلے پڑھایا جاتا ہے جو ہمارے مشاعروں سے قطعی مختلف ہے تو جب مشاعرہ شروع ہوا طفیل صاحب کومہمان خصوصی کے طور پر اسٹیج پر بٹھایا گیا تو انہیں جب دعوت کلام دی گئی تو مجھے یاد ہے طفیل خلش بری طرح چونکے،آگے پیچھے دیکھا۔دوبارہ نام پکارنے پر بڑی عجیب سی حالت میں اٹھے ان کے چہرے پر جہاں حیرانی تھی وہاں ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ بھی تھی کہ واہ سردارو۔۔سردار ہی رہے۔۔!! کلام تو آپ کا ایسا تھا ہی کہ ہال تالیوں سے بار بار گونجتا رہا۔۔مگر شاید ان کا یہ پہلا تجربہ تھا سکھوں کے مشاعرے کا۔۔اس کے بعد عرفان صاحب کی دعوت پر ایک عالمی مشاعرے میں رانا عبدالرزاق اور شائق نصیر پوری کے ساتھ جرمنی گیا جو ایک یادگار سفر تھا وہاں جرمنی کے بے شمار شعرا و ادبا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔عرفان صاحب کی محبت کہ انہوں نے مجھے صدر کی کرسی پر بٹھا دیا۔وہاں بھی طفیل بھائی سے ملاقات ہوئی میں نے انہیں اپنے افسانوں کا مجموعہ بھی پیش کیا۔نہایت اعلی پیمانے کا مشاعرہ تھا اور میرے لئے یادگار رہی کہ جرمنی کے تقریباً تمام شعرا و شاعرات سے ملاقات ہوئی اور یہ محبت آج تک قائم ہے۔محبتیں اور خوشبوئیں ان کی شاعری کے نمایاں رنگ ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اسے تخلیق کے ایسے درجہ تک پہنچا دیا کہ ہر پڑھنے والے کو اپنا اسیر بنالیا۔یہی وجہ ہے کہ ایک باکمال اور ورسٹائیل شاعر کے طور پر آپ کا نام اپنے ہم عصروں میں نمایاں تر ہے۔اور آپ کے سخن کے پھولوں کی خوشبو اور انوکھی مہک بھی اپنا الگ اثر رکھتی ہے اسی لئے دنیائے ادب میں آپ کا نام معتبر اور مستند ہو چکا ہے۔دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں غریق رحمت کرے۔یقین ہے کہ پنجابی شاعری میں ان کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب جرمنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ محترم ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز کی اردو زبان کی ترویج وترقی کے لئے قائم کردہ،سرافتخار ایاز اکیڈمی نے مکرم ومحترم رانا عبدالرزاق خان صاحب کی اردو کے لئے گرانقدر خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں ایک خاص اعزاز پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے اوراس کے لئے ایک خصوصی تقریب منعقد کی جارہی ہے۔برادرم محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب جس محنت،خلوص اورتندہی سے دیارمغرب میں اردو زبان کے بقا،اورترقی کے لئے شب وروز کوشاں ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔محترم رانا صاحب جس تواتر سے مشاعروں کا اہتمام کرتے ہیں اوران میں شمولیت کے لئے تمام دنیا کی شعرا خوا تین اورحضرات کو دعوت دیتے ہیں وہ حیران کن ہے۔محترم رانا صاحب اردو زبان کو بڑھاوا دینے کے لئے اور ہر قسم کے قومی،علاقائی اور مذہبی تعصب سے با لا ہیں اسی وجہ سے انہوں نے اپنے مداحوں اورمحبوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا کرلیا ہے۔اوراس سے بڑھ کر یہ امر قابل تحسین ہے کہ ان کی یہ تمام خدمات کسی مالی منفعت کے نہیں بلکہ مکمل طور پر بے لوث ہیں۔محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب ایک جن کی طرح کام میں مصروف رہتے ہیں۔مشاعروں کے ساتھ ساتھ وہ قندیل ادب جیسا علمی رماہوار رسالہ بھی باقاعدگی سے شائع کرتے ہیں جس میں اخلاقی اورادبی اورسیاسی موضوعات پر دلچسپ مضامین پڑھنے کو ملتے ہیں۔مکرم رانا صاحب خود بھی گاہے بگاہے مختلف سیاسی اور سماجی خبروں پر تبصرہ کرتے ہیں اور دوسرے لکھنے والوں بھی اپنی رائے کے خلاف اظہار کرنے کے لئے فراخدلی سے دعوت دیتے ہیں۔وہ ہمیشہ ہر قسم کے تعصب سے اپنے آپ کو با لا رکھتے ہیں۔ان ہمہ وقتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ وہ مختلف موضاعات پر کتا بیں تحریر کرنے کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔انہوں نے سپوت پاکستان کے ٹائیٹل سے فخر پاکستان چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خان کی پاکستان کے لئے نا قابل فراموش خدمات پر مبنی انصاف پسند مبصرین کی آرا پرانے اخباروں اور تقاریراورتحاریر جمع کرکے ان بے مروت ہموطنوں کے منہ بند کئے ہیں جو اپنے ذاتی تعصب کی بناء پر جوتو ان کی ذات پر گند اُچھالتے ہیں یا ان کا ذکر کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔اس کے علاوہ کئی دوسرے موضوعات پر بھی انہوں نے بڑا وقت دے کر نہ صرف عام لوگوں کے علم میں اضافہ کیا ہے بلکہ اردو زبان کی بھی خدمت کی ہے۔میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں میں برکت عطا فرمائے اوران کی صلاحیتوں کو مزید تقویت دے۔

****

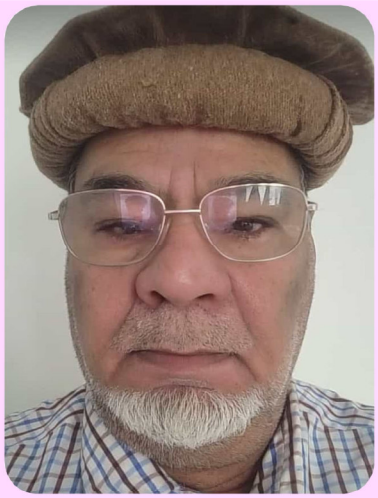

Sir Iftikhar Ayaz Academy UK.

invites you to

AN EVENING
(MUSHAIRA)
with AASI SEHRAE

Date: SUNDAY 05-02-2023,Time: 4:00 PM

VENUE

St Boniface Hall Tooting 185 Mitcham Road London SW 17 9PG

Some Honourable Guests:

* Mukaram Imam Ataul
* Mujeeb Rashid Sahib
* Mukaram Maulana Naseem Bajwa Sahib.
* Mukaram Chaudhary Waseem Sahib.
* Mukaram Mubarak Siddiqi Sahib, Regional Ameer Baitul Futuh.

Honourable Poets:

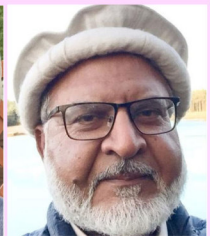

- Amjad Mirza Amjad Sahib
- Shaik Naseerpuri Sahib.
- Tariq Anwer Bajwa Sahib
- Rana Mohammad Hassian Khan sb

Contact : 07886 304637

Dinner will be served

خطیب رفعت اللہ رفعتؔ کی نظموں کا تنقیدی جائزہ

عائشہ صدیقہ۔ جے ریسرچ اسکالر، شعبہ عربی، فارسی واردو مدراس یونیورسٹی، چینائی، انڈیا

خطیب رفعت اللہ رفعتؔ ستمل ناڈو چینائی انڈیا کے ہم عصر شعراء میں اپنی منفرد اور الگ شناخت وہ پہچان رکھتے ہیں۔ان کی شعری تخلیقات وقتاً فوقتاً ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ۱۹۹۵ کے بعد انھوں نے نظموں کی صورت میں جو کلام اردو قارئین کی نزر کیا ہے۔رفعت اللہ رفعتؔ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں لیکن انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں۔رفعتؔ ستمل ناڈو کے ایک صنعتی شہر آمبور کے ایک معزز اور دین دار خطیب گھرانے میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ رفعت اللہ رفعتؔ نے علم و ادب کی دولت اور عقل وشعور کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ان کو شاعری کا ابتدا ہی سے چسکا رہا۔نہوں نے شاعری کی ابتدا ۱۹۸۵ ء میں ہی شروع کردی تھی اور ۱۹۹۰ ء سے حضرت ابوالبیان حمادؔ اور حکیم یعقوب اسلمؔ کی رہنمائی میں شعر کہنے کے علاوہ مشاعروں میں حصہ لیتے تھے، کچھ ہی مدت میں انہیں شعر گوئی پر اتنی قدرت حاصل ہوگئی کہ خود سے شعر کہنے اور سنانے کے قابل ہو گئے۔شاعری میں انہوں نے رفعتؔ تخلص اختیار کیا۔

رفعتؔ ایک شا ئستہ مہذب اور فراغ دل انسان ہیں، چونکہ قوم وملت سے ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں اس لئے ان کی شاعری بھی ہمدردی کے اوصاف سے ممیز ہے۔رفعتؔ ایک جہاں دیدہ شخصیت ہیں، مشرقی وسطیٰ کے علاوہ دینا بھر کے مشہور ممالک کا سفر بھی کیا ہے۔ اور آج کل نیویارک امریکہ میں سکونت پذیر ہیں۔ رفعتؔ کا کلام رطب وبابس سے پاک ہے کیونکہ صالح اور مثبت قدروں کے پاسدار ہیں۔اس لئے ان کے کلام میں محبتِ ،وفا، اخلاص، ہمدردی اور راضی بہ رضا رہنے کا پیغام ملتا ہے۔رفعتؔ کی شاعری تصنع سے بلکل پاک ہے۔انھوں نے اپنے کلام کو بے جا حسن کاری غیر ضروری آرائش اور غیر ضرور حقیقی چیزوں کا آئینہ دار نہیں بنایا۔

چونکہ وہ اپنے دل کی بات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا ہنر جانتے ہیں اس لئے خلوص اانہاک سے اپنی بات اس طرح کرتے ہیں کہ شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری باتؔ رفعتؔ نے اپنی نظموں میں وحدتِ خیال ، زبان پر قدرت اور الفاظ کا سلیقہ کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رفعتؔ کی نظمیں روانی اور سلاست کی ترجمان بن گئی ہیں۔

دشمن اگر نہ ہوتا خود رازداں ہمارا
ہوتا نہ آشکارا دردِ نہاں ہمارا
کر دار کی بلندی حاصل نہ ہو جو ہم کو
کیا کام آ سکے گا زورِ بیاں ہمارا
ہم جو چلیں سنبھل کر، سنبھلے گا پھر زمانہ
سود و زیاں ہے سب کا سود وزیا ں ہمارا
سب اک طرف جو ہوتے کچھ حل نکل ہی آتا
کوئی وہاں تمھارا، کوئی یہاں ہمار
موسم کا ہے تقا ضا طوفانِ با دو باراں
ہے کتنے حادثوں میں اک آشیاں ہمارا
محسوس کیوں نہ ہوتی ہم کو نماز بھاری
غفلت کا وقت ہی تھا وقتِ اذاں ہمارا
اقبالؔ جیسی خواہش رفعتؔ بھی کر رہا ہے
ہو جائے نیک سیرت ہر نو جواں ہمارا
پہلے اندھی کو تم صبا کہنا

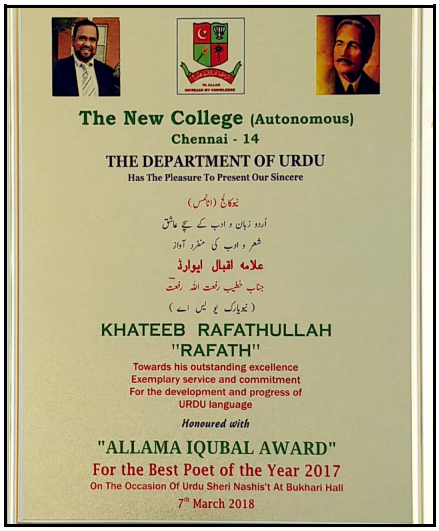

پھر خزاں کو بھی اک عطا کہنا
جس کفن پر شہیدی خون ملے
اُس کو تم جنّتی عبا کہنا
ہے کشش تلخیٔ صداقت میں
اپنے سچ ہی کو دل ربا کہنا
اک وظیفہ مریضِ دل کا ہے
حسرت و یاس کو دوا کہنا
یہ تو بے صبر ہی کو بھائیگا
زندگی کو بُرا بھلا کہنا
بے عمل کے لئے ہے ہر پستی
حدِّ تذلیل اُس کی کیا کہنا
عیب گوئی سے بچو رفعتؔ
حق کی ہر بات برملا کہنا

رفعتؔ نے روایتی نظموں کے علاوہ آزاد نظموں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ رفعتؔ کی فکری بلندیوں کا احساس ان کی آزاد نظموں میں بھی ملتا ہے۔ ہیت کے اعتبار سے بھی رفعتؔ کی آزاد نظمیں پھر پور فنّی لوزمات سے لبریز ہیں۔ ان کی آزاد نظموں میں رفعتؔ نے قارئین کو دنیا کی بے ثباتی اور بے جا خواہشوں سے باخبر کیا ہے۔ اور یہ پیغام بھی دیا ہے کہ دنیا میں صرف مثبت سوچ رکھنے والوں کی ہمیشہ کامیابی ہوتی ہے۔ ان کی ایک مونولاگ نظم سامعین کی نذر ہے اس نظم میں رفعتؔ نے انسان کو اس فانی دنیا کی حقیقت سے آگاہی کرواتے ہیں۔ اس میں جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ جنگ جوئی اور اس کے منفی اثرات پر چونکا دینے والے منظر کو پیش کرتے ہوئے خون کی ہولی کے رنگ سے تعبیر کرتے ہوئے امن و سلامتی کا پیغام دینے کا ایک نرالہ انداز ہے۔

ملاحظہ ہوں:

(۱) اس دنیا میں
ہاں ہاں آج کی فانی دنیا میں
چین سے تم جینا سیکھو
اور سکون سے مرجانا بھی
ہر طرف ہر چوراہے پر
بارودی سرنگیں
بچھی ہوئی ہیں
دیکھو زمیں کے سینے پر
ڈھنگ سے چلنا سیکھو کچھ
جسم ہمارے لاغر ہیں
خون بائے نام ہے اس میں
غور سے جو تم دیکھو گے
صرف رنگ ہی رنگ ہے
رنگ کی قیمت ہی کیا ہے
آؤ درندو، جلد یہاں
خون اگرچہ کچھ بھی نہیں
پھر بھی ہمارا جسم یو ہے
خون کی ہولی اس سے کھیلو

علمِ عرض پر مہارت رکھنے والے رفعتؔ نے صنفِ رباعی کو بھی نہیں چھوڑا رباعیات کے معروف کل ۲۴ بحور ان کے لئے ازبر ہے کئی رباعیات کہے ہیں جن میں سے ایک دو پیش خدمت ہے۔

۱) گُل رنگ سی نرمیاں مزاجوں میں رکھ
سادہ سی خامیاں رواجوں میں رکھ
رفعتؔ تجھے اللہ شفا بخشے گا
بندوں کی دعائیں بھی علاجوں میں رکھ

۲) اسباب کو دل میں نہیں پالا ہم نے
طاغوت کو ذہن سے نکالا ہم نے
دولت کی پرستار تھی دنیا لیکن
سُونے کا کوئی بُت نہیں ڈھالا ہم نے

۳) جب حرص و ہوس دامن پھیلاتی ہیں
جو کچھ بھی ملے سمیٹتی جاتی ہیں
دولت ہو کہ شہرت ہو یہ ہیں وہ چیزیں
جتنی بھی ملیں کم ہی نظر آتی ہیں

رفعتؔ اللہ رفعتؔ کے اس کلام کو پڑھنے کے بعد میرا یہ تاثر ہے کہ رفعتؔ ہم عصر شعراء میں اپنے خاص لب و لہجے اور فکری جہتوں کے اظہار کی بدولت بلا شبہ اپنی ایک انفرادی شناخت رکھتے ہیں۔

گھریلو تشدد کے شکار مرد بھی ہیں

جبیں نازاں

آپ یہ موضوع دیکھ کر حیرت زدہ یا ششدر ضرور ہوئے ہوں گے۔ غالب امکان کہ آپ اسے لطیفہ یا مزاح سمجھ کر پڑھنا چاہیں گے۔

لیکن یہ آج کی ایسی حقیقت ہے جس کے متعلق پچھلی صدیوں میں کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ مستقبل میں کبھی جنوبی ایشیا کے 'پدری نظام' کے حامل ممالک میں مرد حضرات ہی گھریلو تشدد کے شکار ہوں گے۔ یہ سننے میں عجیب لگ رہا ہے، لیکن یہ ناقابل یقین نہیں جب کہ صدیوں سے گھریلو تشدد کی شکار خواتین بنائی جاتی رہی ہیں، ایک طبقہ یہ مان چکا تھا کہ عورتیں پیدا ہی اس لیے ہوئی ہیں۔ کہ ان پر ظلم وستم روا رکھا جائے۔ اس طبقے کی عورتیں نصیب کا لکھا سمجھ کر صبر آزما رہیں۔ کیوں کہ زمانے سے لڑا جھگڑا جاسکتا ہے لیکن نصیب سے کون لڑے۔؟

گھریلو تشدد یا استحصال برصغیر کے عام خاندان میں ہی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ متمول خاندانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب میں ڈالنے والی بات یہ کہ غیر ممالک (مثلاً، برطانیہ، امریکہ، فرانس وغیرہ) میں بس چکے برصغیر کے خاندانوں میں بھی روز مرہ رونما ہونے والے دیگر نامناسب واقعات میں سے ایک واقعہ بن کر رہ گیا ہے۔ برطانیہ کی غیر سرکاری تنظیم ''مین کائنڈ'' کی رپورٹ کے مطابق گھریلو تشدد کے تین متاثرین میں ایک مرد ہوتا ہے۔

جن کا جذباتی، جسمانی اور معاشی طور پر استحصال کیا جاتا ہے۔ اس تنظیم کا ماننا کہ مردوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ مردوں کا یہ طبقہ خاموشی سے ظلم تشدد برداشت کرتے ہوئے جہاں فانی سے کوچ کرجاتا ہے۔ لیکن گھر سے باہر اپنی 'پتا' کہنا یا سنانا اچھا نہیں سمجھتا حتی کہ اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ شیئر کرنے میں خوف، جھجک اور قباحت محسوس کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ معاشرے یا دوستوں میں مذاق بننا نہیں چاہتا۔ جوان کی مردانگی پہ انگلی اٹھنے کا باعث بن سکتا ہے۔

2004ء میں وجود میں آئی ایک تنظیم جو خواتین کے ہاتھوں مردوں کے استحصال کا اندراج کیا کرتی ہے۔ مختصر مدت یعنی کہ سات سال بعد 806 سے بڑھ کر 9408 تک تعداد پہنچ جاتی ہے۔ یہ تعداد ہمیں تشویش میں مبتلا کرتی ہے کہ کس قدر تیزی سے متاثر مردوں کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہے۔

حالات کی تشویشناک حد تک اضافے کو دیکھتے ہوئے ملک برطانیہ میں "MenReachinc out" نام کی تنظیم قائم کی گئی ہے۔ یہ تنظیم متاثر مردوں کی مدد کے لیے ایک سروس شروع کر رکھی ہے۔ اس تنظیم کا کہنا کہ شروع میں میرے پاس ہر ماہ 20 مردوں کی شکایات آئیں۔ چند مہینے بعد شکایات میں اضافہ ہوکر 50، 60 تک پہنچ گئی۔ اس تنظیم کے تین مراحل ہوا کرتے ہیں پہلا مرحلہ ہیلپ نمبر کی مدد سے شکایت درج کی جاتی ہے دوسرا مرحلہ گھر کی خواتین اور متاثر مرد کو ایک ساتھ بلایا جاتا ہے پھر آپس میں صلح کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کوئی معاملہ انتہائی سنگین نوعیت اختیار کرلیتا ہے۔ افہام وتفہیم کے تمام دروازے بند کردیے جاتے ہیں صلح کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تب آخری اور تیسرا مرحلہ ظالم بیوی سے شوہر کو نجات دلانے کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ ہی نہیں دیا جاتا بلکہ ان شوہر کی معاونت بھی کی جاتی ہے اس تنظیم کے ذریعے ہندستان میں مرد پہ ہورہے تشدد کا تناسب عورتوں پہ ہورہے تشدد سے کم نہیں ہے۔ ڈیلی ویمن کمیشن تنظیم کے مطابق چوں کہ ہندستان میں مرد پہ ہورہے گھریلو تشدد کے متعلق کوئی قانون نہیں۔ اس لیے تعداد کا اندراج ایک فیصد سے بھی کم ہوتا ہے۔ کیوں کہ تشدد کے شکار مرد کی اکثریت شکایت درج کروانے نہیں جاتی۔ جس کی متعدد وجوہات بتائی جاتی ہیں۔

بعض مرد اسے اپنے وقار کی توہین سمجھتے ہیں کہ یہ بات گھر سے نکل کر باہر تک جائے گی۔ جو ہماری ہی ذلت ورسوائی کا سبب بنے گی۔ دوسری وجہ یہ کہ ان کے لیے باضابطہ کوئی قوانین نہیں بنایا گیا ہے، Demostic violence کے تحت قوانین بنائے گئے، اس کی ساری دفعات خواتین کو تحفظ اور طاقت عطا کرتی ہے لہٰذا وہ یہ لڑائی قانونی طور سے نہیں لڑ سکتے۔ تیسری اہم وجہ چند مرد کی شکایات کا حشر دیکھ اور پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ کہ جب مرد خود پہ ہونے والے ظلم وستم کی شکایت لے کر تھانہ پہنچتے ہیں، پہلے تو پولیس اہمیت نہیں دیتی، اگر کبھی صورت حال کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے دھیان دیتی بھی ہے تو اس کے گھر والوں (بیوی) کو بلا کر تفتیش کرنے کی بجائے۔ بیوی کی طرف سے شوہر پر مقدمہ کرا دیتی ہے۔ یہ رپورٹ ہندستان کی ایک غیر سرکاری تنظیم ''سیو انڈین فیملی'' (save Indian family) کے اعداد شمار اور تحقیق کی روشنی میں بیان کررہی ہوں۔

انڈین ویمن کورٹ 323 کے مطابق متاثر مرد کو چند حقوق مہیا کرتی

ہے لیکن مرد حضرات پولیس اسٹیشن جانے سے کتراتے ہیں...اس لیے کہ گھر میں تنہا ہو چکا مرد کورٹ میں بیوی بچوں اور پولیس کے سامنے بالکل بے بس دکھائی دیتا ہے۔اس کی ہمت جواب دے چکی ہوتی ہے، کہ وہ بیوی بچوں کے خلاف عدالت میں مقدمہ کا سامنا کرے گویا کہ متاثر مرد اس عمل کو عریاں ہونے کے مترادف سمجھتا ہے۔

لہٰذا اللہ کی عدالت میں اپنا کیس فائل کرتے ہوئے بے بس مظلوم مالک حقیقی سے جا ملتا ہے۔گویا کہ اس مقولے پہ عمل کرتا ہے جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا اللہ ہوتا ہے۔مشاہدہ کے تناظر میں مرد پہ گھریلوں تشدد واستحصال کی وجوہات زیادہ نہیں عموماً دو چار ہی ہوا کرتی ہیں۔

پہلی وجہ معاشی اعتبار سے مرد کا کمزور ہونا۔جسے ایک صدی قبل اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ''مفلسی مرد کا اعتبار کھوتی ہے'' خواہ مرد جتنا شریف ہو، لیکن بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔شادی کے دو چار سال بعد بیوی کی طرف سے طعنہ تشنع شروع ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر بات بے بات پہ لڑنا جھگڑنا، اور پھر ذہنی جسمانی ایذا رسانی تک نوبت آجاتی ہے۔خیر اکبر الہ آبادی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جسے مساوات کا عہد کہا جائے گا متمول اور شریف خاندان کی خواتین بھی اپنے شوہر کو ظلم و استبداد کی راہوں سے گزارا کریں گی، اس روشن خیالی اور مساوات پہ اکبر الہ آبادی کیا کہتے کیا سوچتے۔وہ بعید از قیاس نہیں۔

دوسری قسم کے وہ شوہر ہوتے ہیں۔جن کی بیویاں تعلیم یافتہ خوشحال گھرانے کی (بعض نوکری پیشہ بھی) ہوا کرتی ہیں۔شوہر ان کی بہ نسبت کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور معاشی طور خوشحال نہیں ہوتے۔وہ سسرال کی دولت پہ یا بیوی کی تنخواہ پہ گزارہ کرنا چاہتے ہیں۔یا گزارہ کر رہے ہوتے ہیں، ان کی بیویاں ظاہری بات ہے گھر میں حاکم بن کر ہی رہیں گی۔شوہر کو زر خرید غلام تصور کرتی ہیں۔لہٰذا ان کے ساتھ سلوک بھی غلاموں جیسا کیا کرتی ہیں۔اس پہ مستزاد یہ کہ بیوی کے مائیکے والوں کی مداخلت اہم رول نبھاتی ہے مائیکے والوں میں سب سے بڑا کردار بیوی کی ماں کا ہوتا ہے۔وہی ماں جس کا نظریہ اپنی بہو کے لیے۔اس کے برعکس ہوتا۔وہ چاہتی ہیں کہ میری بہو اپنے شوہر کی پتی ورتا بیوی بن کر رہے اور ساس سسر کی خدمت گزار بہو۔لیکن بیٹی سسرال میں حاکم بن کر رہے شوہر زن مرید ہو، ساس سسر پہ میری بیٹی کی حکمرانی ہو۔یہ مائیں پچھلی صدی کی مظلوم بہو کی ساس کا دوسرا روپ ہیں۔

تیسرے قسم کے شوہر وہ ہوتے ہیں جن کی شادیاں اپنی پسند کی ہوتی ہیں۔چوں کہ یہ شوہر شادی کے قبل ہی ان کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہوتے ہیں۔لہٰذا شادی بعد بے دام غلام بن جاتے ہیں۔گھریلو بیوی (ہاؤس وائف) اپنے رشتے داروں کو اہمیت دینا شروع کر دیتی ہے۔ساس پہ ماں، نند پہ بہن، سسر پہ باپ کو فوقیت دینے لگتی ہے۔شوہر چوں کہ زن مرید ہو چکا ہوتا ہے۔لہٰذا مرشد بیوی کا ہر عمل اسے درست لگتا ہے۔اور جب پانی سر سے اوپر ہو چکا ہوتا ہے پھر بیوی آوٹ آف کنٹرول ہو چکی ہوتی ہے۔گھر میں کبھی تناؤ، گھٹن کبھی چیخ و پکار غرض کہ گھر میں امن وسکون، کی بجائے دن رات اٹھا پٹک، بے ہنگم چیخ و پکار، خوشیوں کا شیرازہ بکھر ہو چکا ہوتا ہے۔اپنی پسند کی ہونے والی شادی کا یہ انجام ہر طبقے میں پایا جاتا، اگر شوہر اور بیوی اتفاق سے ملازمت پیشہ ہوئے وہاں بھی یہ بدنظمی پائی جاتی ہے۔شوہر کو شکایت ہوتی ہے کہ بیوی میرا خیال نہیں رکھتی۔مثلاً میں گھر آؤں تو بیوی میرا ویسا ہی استقبال کرے کہ جس طرح ایک ہاوس وائف کیا کرتی ہے۔وغیرہ وغیرہ ملازمت پیشہ بیوی بھی ایک انسان ہے اسے بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔۔دوہری ذمے داری ادا کر رہی ہوتی ہے۔تہری چوتھی ذمے داریوں کی ہمت اور توانائیاں گنوا چکی ہوتی ہے۔

بیوی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے، اس مقام سے بیوی اور شوہر کے درمیان میں تصادم شروع ہوتا ہے۔اور معاملات بڑھ کر اکثر علاحدگی پہ منتج ہوتا ہے۔کیوں کہ مصالحت کے جب دونوں فریق منکر ہو جائیں تو پھر علیحدگی آخری راستہ بچ جاتا ہے۔یہی وجہ کہ پچھلے بیس پچیس سالوں میں طلاق کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔تعلیم یافتہ ہونے کے جہاں بے شمار فوائد ہیں وہاں اسے سائیڈ افیکٹ ہی کہا جا سکتا ہے کوئی ضروری نہیں کہ ہر تعلیم یافتہ انسان، باشعور بالغ نظر، دانشمند اور مثبت فکر کا حامل بھی ہو۔اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں لڑی جانے والی سب سے زیادہ جنگ تعلیم یافتہ انسان نے لڑی ہے۔وجوہات کچھ بھی رہی ہوں۔

بسیار تحقیق کے بعد یہ تین اہم وجہیں سامنے آئیں۔دیگر چند وجوہات کے علاوہ ان تمام اقسام میں ایک پہلو مشترک نظر آتا ہے وہ یہ کہ ہٹلر بیویاں۔بچوں کو اپنا طرفدار بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں، بچوں کو کبھی ڈھال یا ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔بہت کم ایک آدھ واقعہ یہ دیکھنے میں آیا کہ اس صورت حال میں بچے والد کا ساتھ دیتے نظر آئے ہوں یہی وجہ کہ مرد گھر کا حاکم ہوتے بھی محکوم اور مظلوم بن کر رہ جاتا ہے۔مرد کو چاہئے کہ بیوی کے سامنے اتنا نہ جھکے کہ بیوی ''مجازی خدا'' بن جائے۔ ***

پروین شاکر

پاکستان کی مقبول ترین شاعرات میں نمایاں، نسائی احساسات و جذبات کی ترجمان اور شہرہ آفاق شاعرہ ''پروین شاکر صاحبہ'' کا یومِ ولادت..نام سیّدہ پروین شاکر،تخلص پروین 24 نومبر 1952ء میں کراچی میں پیدا ہوئیں۔ان کے آباء و اجداد، چندن پٹی لہیر یاسرائے ضلع دربھنگہ (بہار) ہندوستان کے رہنے والے تھے۔تقسیم کے بعد ان کے والدین پاکستان ہجرت کر گئے۔والد سیّد ثاقب حسین بھی شاعر تھے اور شاکر تخلص کرتے تھے۔اسی نسبت سے وہ شاکر لکھتی تھیں۔ابتدا میں مینا تخلص کرتی تھیں۔پندرہ برس کی عمر میں شاعری کی ابتدا ہوئی۔پہلی نظم روزنامہ جنگ میں شائع ہوئی۔1978ء میں جامعہ کراچی سے انگریزی ادب اور لسانیات میں ایم اے کیا۔1971 میں پروین نے جنگ میں ذرائع ابلاغ کا کردار کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ سے انہوں نے بینک ایڈمنسٹریشن میں ایم اے کیا۔عبداللہ گرلز کالج میں انگریزی کی لکچرر ہوئیں۔سول سروس کے امتحان میں کامیاب ہوئیں۔کسٹم اینڈ ایکسائز کے محکمے میں کسٹم کلکٹر ہوئیں۔ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ڈاکٹر نصیر علی سے ہوئی،لیکن 1989 میں علیحدگی ہوگئی۔بیٹے کا نام سیّد مراد علی رکھا جسے گیتوں بھی کہا جاتا تھا۔پروین، احمد ندیم قاسمی سے بے حد متاثر تھیں اور انہیں عموجان کہا کرتی تھیں۔پہلا مجموعہ ''خوشبو'' انہی کے نام منسوب ہے۔26 دسمبر 1994ء کو اسلام آباد کے نزدیک ایک ٹریفک حادثے میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مقبول ترین خاتون شاعرہ پروین شاکر صاحبہ کے یوم ولادت پر منتخب اشعار بطور خراجِ عقیدت...

وہ تو خوش بو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا
اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اُٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
*وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس اُمید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
چلنے کا حوصلہ نہیں رکنا محال کر دیا
عشق کے اس سفر نے تو مجھ کو نڈھال کر دیا
اک نام کیا لکھا ترا ساحل کی ریت پر
پھر عمر بھر ہوا سے میری دشمنی رہی
کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رُسوائی کی
دشمنوں کے ساتھ میرے دوست بھی آزاد ہیں
دیکھنا ہے کھینچتا ہے مجھ پہ پہلا تیر کون
وہ نہ آئے گا ہمیں معلوم تھا اس شام بھی
انتظار اس کا مگر کچھ سوچ کر کرتے رہے
کچھ تو ہوا بھی سرد تھی کچھ تھا ترا خیال بھی*
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی*
ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا*
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اُتر جائے گا*
عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی
بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کے لئے
کمالِ ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی
اس کے یوں ترک محبت کا سبب ہوگا کوئی
جی نہیں یہ مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا
کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں
روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

کانپ اُٹھتی ہوں میں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے کوئی

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اُٹھا
آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی اس نے کمال کر دیا

میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہوئی
وہ شخص آکے مرے شہر سے چلا بھی گیا

دینے والے کی مشیت پہ ہے سب کچھ موقوف
مانگنے والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی

یہی وہ دن تھے جب اک دوسرے کو پایا تھا
ہماری سالگرہ ٹھیک اب کے ماہ میں ہے

اس نے مجھے دراصل کبھی چاہا ہی نہیں تھا
خود کو دے کر یہ بھی دھوکا، دیکھ لیا ہے

کچھ فیصلہ تو ہو کہ کدھر جانا چاہئے
پانی کو اب تو سر سے گزر جانا چاہئے

میرے چہرے پہ غزل لکھتی گئیں
شعر کہتی ہوئی آنکھیں اس کی

بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

اپنی رُسوائی ترے نام کا چرچا دیکھوں
اک ذرا شعر کہوں اور میں کیا کیا دیکھوں

جستجو کھوئے ہوؤں کی عمر بھر کرتے رہے
چاند کے ہم راہ ہم ہر شب سفر کرتے رہے

قدموں میں بھی تکان تھی گھر بھی قریب تھا
پر کیا کریں کہ اب کے سفر ہی عجیب تھا

رُخصت کرنے کے آداب نبھانے ہی تھے
بند آنکھوں سے اس کو جاتا دیکھ لیا ہے

تھک گیا ہے دلِ وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا
خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح

رستہ میں مل گیا تو شریک سفر نہ جان
جو چھاؤں مہرباں ہو اسے اپنا گھر نہ جان

تیرے پیمانے میں گردش نہیں باقی ساقی
اور تری بزم سے اب کوئی اُٹھا چاہتا ہے

شب وہی لیکن ستارہ اور ہے
اب سفر کا استعارہ اور ہے

مقتلِ وقت میں خاموش گواہی کی طرح
دل بھی کام آیا ہے گمنام سپاہی کی طرح

ہتھیلیوں کی دعا پھول بن کے آئی ہو
کبھی تو رنگ مرے ہاتھ کا حنائی ہو

جب ہوا تک یہ کہے، نیند کو رُخصت جانو
ایسے موسم میں جو خواب آئیں غنیمت جانو

راستوں کا علم تھا ہم کو نہ سمتوں کی خبر
شہرِ نا معلوم کی چاہت مگر کرتے رہے

اِتنی جسارتیں تو اُسی کو نصیب تھیں
جھونکے ہَوا کے، کیسے گلے سے لپٹ گئے

عشق دریا ہے، جو تیرے وہ تہی دست رہے
وہ جو ڈوبے تھے، کسی اور کنارے نکلے

رنج سہنے کی مرے دل میں تب و تاب کہاں
اور یہ بھی ہے کہ پہلے سے وہ اعصاب کہاں

بہت عزیز سہی اُس کو میری دلداری
مگر یہ ہے کہ کبھی دل مرا دُکھا بھی گیا

بہت عزیز ہیں آنکھیں مری اُسے، لیکن
وہ جاتے جاتے انہیں کر گیا ہے پُر نم پھر

یہ غنیمت ہے کہ اُن آنکھوں نے پہچانا ہمیں
کوئی تو سمجھا دیارِ غیر میں اپنا ہمیں
غیروں کی دشمنی نے نہ مارا،مگر ہمیں
اپنوں کے التفات کا زہر اب لے گیا
یہی تو وجہِ شکستِ وفا ہُوئی میری
خلوصِ عشق میں سادہ دلی کی آمیزش
برس سکے تو برس جائے اس گھڑی، ورنہ
بکھیر ڈالے گی بادل کے سارے خواب، ہوا
وہ دلنواز لمحے بھی گئی رُتوں میں آئے جب
میں خواب دیکھتی رہی، وہ مجھ کو دیکھتا رہا
دُعا کا ٹوٹا ہُوا حرف، سرد آہ میں ہے
تری جُدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے

تمثیلہ لطیف (راولپنڈی)

تلخیٔ غمِ حیات کی سہتا نہیں کوئی
میری طرح فراق میں روتا نہیں کوئی

اتنی بھی اپنے پاس اب فرصت نہیں رہی
احساس دوسروں کا تو رکھتا نہیں کوئی

جوآگ جس کے پاس ہے وہ اس کی آگ ہے
اوروں کی آگ میں یہاں جلتا نہیں کوئی

سایہ بھی میرے ساتھ نہیں ہے غمِ حیات
مجھ جیسا اس جہان میں تنہا نہیں کوئی

دنیا میں ایک ایک سے بڑھ کر حسیں ہیں لوگ
تجھ سا حسیں جہان میں دیکھا نہیں کوئی

تمثیلہؔ اور بھی ہیں بہت دلربا مگر
اس کے بغیر آنکھ میں جچتا نہیں کوئی

لطائف الادب - نیوایئر

نیوایئر نائٹ کا آغاز انیسویں صدی کے آغاز میں نیوی کے نوجوان کی طرف سے کیا گیا۔ برطانیہ کی رائل نیوی کے نوجوانوں کا زیادہ حصہ بحری جہازوں میں گزرتا تھا، یہ لوگ سمندر کے تھکا دینے والے سفر سے بیزار ہوجاتے تھے تو جہازوں کے اندر ہی اپنی دلچسپی کا سامان تیار کر لیتے تھے۔ یہ لوگ تقریبات کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ سالگرہ، ویک اینڈ اور کرسمس کا اہتمام کرتے۔ انہیں تقریبات کے دوران کسی نے یہ کہا: کیوں نہ ہم سب مل کر نئے سال کو خوش آمدید کہیں۔ انہیں یہ تجویز اچھی لگی، لہٰذا دسمبر کی 31 تاریخ کو سارا عملہ اکٹھا ہوا اور جہاز کا ہال روم سجا کر میوزک کا انتظام کر کے ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد دی۔ برٹش رائل نیوی کے جہاز سے شروع ہونے والا یہ تہوار دوسرے جہازوں پر پہنچا، اور اس طرح یہ دنیا میں منایا جانے والا تہوار بن گیا۔ اگرچہ یہ عیسائیوں کی ایک رسم ہے جو اب مسلمانوں میں بھی مقبول ہوچکی ہے۔ نئے سال کی آمد پر استقبالیہ جشن کی تیاریاں زوروشور سے چلتی ہیں۔ دنیا بھر میں رنگ برنگی لائٹوں اور برقی قمقموں سے سجاوٹ ہوتی ہے۔ 31 دسمبر کی رات میں 12 بجنے کا شدت سے انتظار کیا جاتا ہے اور 12 بجتے ہی ایک دوسرے کو مبارک باد دی جاتی ہے، کیک کاٹا جاتا ہے، ہر طرف ہیپی نیوایئر کی صدا گونجتی ہے، آتش بازیاں کی جاتی ہے، فضول خرچی کے ریکارڈ توڑے جاتے ہیں، آتش بازی اور پارٹیوں کے نام پر سبقت اور رب کی ناراضی مول لی جاتی ہے۔ منقول

قارئین کے خطوط:

محترم برادرم رانا عبدالرزاق خان صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی یادآوری کا بہت شکریہ آپ نے مناسب وقت پر بہت ھی اچھا پروگرام تیار کیا ہے آپ کی مصروف ترین زندگی کے متعلق پروگرام سن کر حیرت اور خوشی ہوئی ہے آپ نے علم وادب کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے اور آپ بہت نافع الناس ایک مجاہد شخصیت ہیں ماشاآللہ ہم بھی آپ کی شفقتوں اور علمی خزانوں سے مستفیض ہو رہے ہیں الحمدللہ اللہ۔

تعالیٰ آپ کی خدمات قبول فرمائے اور صحت وسلامتی والی لمبی فعال زندگی عطا فرمائے آمین والسلام آپ کا خیراندیش بھائی

خاکسار نصیر احمد باجوہ ہمبرگ جرمنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

A resume of The Services of

Rana Abdul Razzaq Khan

A Poet, A Literary light, Column writer, Eloquent speaker, Commentator, and Author.

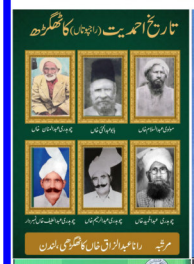

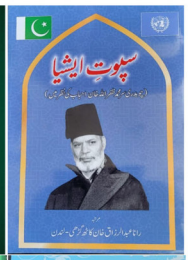

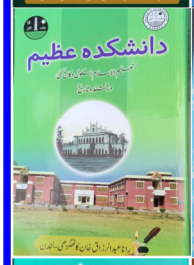

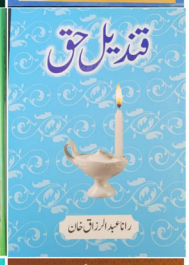

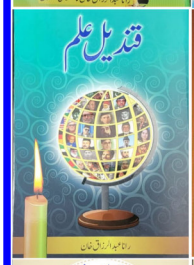

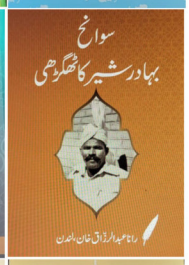

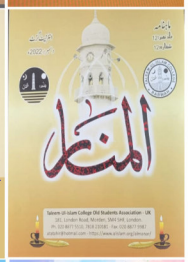

He was born in District Khushab, Pakistan on April 13, 1951 .

He Graduated from T.I College Rabwah.

In 1972 he started work with Packages Limited.

Later he worked in Bahrain where he also served as Secretary. Finance of Jama'at Ahmadiyya for 9 year.

He served in many capacities Jamaat Ahmadiyya District. Khushab

He was Secretary Tabligh, Secretary Finance, etc.

He came to London in 2005. He served as Majlis Ansarullah Naib Qaid Umoomi and he was appointed on the editorial board of Monthly Magazine Akhbar-e-Ahmadiyya U.K.

In 2010 he started to write Political Column in U.K Times London (Urdu Newspaper) and he became Editor of Poetry Section of U.K Times.

In 2011, he joined T.I College Old Students Association U.K.

He was appointed as Secretary Tajneed of the Association.

He started publishing a monthly Urdu Magazine Qindeel-e-Adab in January 2013 which continues to this day.

In 2015 he was elected General Secretary of TICOSA.

In 2016 he was appointed Editor of Almanar U.K.

He also started publishing another religious magazine, Qindeel-e- Haq.

In 2017 he wrote a book 'Daanish Qadah Azeem'. History of T.I College.

In 2020 he performed Umrah with his family.

He also compiled a book 'Sapoot-e-Asia' which is a Biography of Sir Mohammad Zafrullah Khan.

In 2021 he wrote a book on Nasir Ahmad Bahadur Sher, who was a bodyguard of the 3rd and 4th Khalifa.

This year 2023 he has compiled a book on The History of Jama'at Ahmadiyya Kathgarh which is the home of his elders in Pakistan.

Sir Iftikhar Ayaz Academy UK.

07886304637

پرویز شاہدی کی غزلیہ شاعری

احمد علی جوہر، ریسرچ اسکالر، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

پرویز شاہدی ایک اہم ترقی پسند شاعر تھے۔ان کا نام سید محمد اکرام حسین اور تخلص پرویز شاہدی تھا۔ان کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں لودی کٹرہ، پٹنہ سٹی میں ہوئی۔ ۵ مئی ۱۹۶۸ء کو وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ ان کے دو شعری مجموعے ''رقصِ حیات'' اور ''تمثیلِ حیات'' کے نام سے سامنے آئے جس میں نظمیں، غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ رباعی گو کی حیثیت سے پرویز شاہدی کو بہت زیادہ کامیاب نہیں کہا جاسکتا، البتہ نظم نگار اور غزل گو کی حیثیت سے وہ ایک اہم شاعر کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔انھوں نے اردو نظم اور غزل کو نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا، اسے منفرد لب ولہجہ عطا کیا، اس میں فکری وفنی تنوّع پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے زبان وبیان کی وسعتوں سے ہمکنار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اشتراکی ترقی پسندی کے علمبردار شاعروں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ پرویز شاہدی عظیم آباد میں ضرور پیدا ہوئے مگر اپنے اسلوب، لب ولہجہ، زبان اور فنی معتقدات کے لحاظ سے اور اپنے عقیدے اور نظریے کے اعتبار سے وہ دبستان عظیم آباد کے شعراء سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے شعوری طور پر دہلی اور لکھنو کے اساتذہ کا تتبع کرنے کی کوشش کی۔ان کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحریروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کم سنی ہی میں ناسخ، آتش، میر، سودا، داغ اور غالب کے دیوان کا مطالعہ کر چکے تھے۔ فن اور زبان کی سطح پر ناسخ سے انھوں نے بے حد اثر قبول کیا تھا اور ابتدا میں اس کی تقلید بھی کی تھی۔ اس کے بعد غالب کے رنگ سخن سے متاثر ہوئے تھے۔ ناسخ اور غالب کے علاوہ ان کی غزل میں جگر کا رنگ بھی بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

وہ کائنات عشق پہ چھاتے چلے گئے
مجھ کو بھی جزوِ حسن بناتے چلے گئے
پردہ وہ اپنے رخ سے ہٹاتے چلے گئے
مجھ کو مری نظر سے چھپاتے چلے گئے
میں تھا کہ فرقِ عشق وہوس سوچتا رہا
وہ تھے کہ میرے دل میں سماتے چلے گئے

پرویز کو یہ رنگ راس نہیں آیا۔انہیں بہت جلد احساس ہوگیا کہ ان کا نغمہ ایک انفرادی لے کی تلاش میں ہے۔ انھوں نے اس انداز کے چھوڑنے کا بھی اعلان کیا۔

تنگ آکے وہ اندازِ جنوں چھوڑ دیا
جب خبر آئی کہ اب دشت میں وحشت نہ رہی

پرویز شاہدی نے سچ مچ وہ 'اندازِ جنوں' چھوڑنے کی کوشش کی۔ انھوں نے عشق کا ایک ارضی اور جری تصور اپنایا اور بڑی بے باکی، جرأت اور دلیری سے کہا:

اگر گناہ یہی ہے کہ تجھ سے پیار کیا
تو ہاں گناہ کیا اور بار بار کیا

پرویز شاہدی کے یہاں عشق نحیف ونزار، سہا سہا نہیں۔عشق ان کی جان کا روگ نہیں بلکہ زندہ رہنے کا وسیلہ ہے۔عشق، جوانی اور زندگی ان کے نزدیک مترادف ہیں۔عشق ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا ملجا وماویٰ ہے۔وہ ایک عشق میں ناکام ہوتے ہیں تو گریہ وزاری نہیں کرتے بلکہ کوئی اور آستاں تلاش کر لیتے ہیں تاکہ ان کی رگوں میں خونِ زندگی رَواں دَواں رہے۔

سجدوں سے کھیلتی رہی میری جبینِ شوق
یہ آستاں ہوا، کبھی وہ آستاں ہوا

اس پھول کا مُنہ چومو، اس پھول کا مُنہ چومو
پھر ہٹ کے الگ جھومو، تب لطف جوانی ہے

پرویز شاہدی حُسن سے مرعوب یا مبہوت ہونے کے بجائے اس سے کسب نور کرتے ہیں۔ وہ حُسن کے چشمہ فیض سے کبھی شاکی نہیں ہوتے۔

ان کے جلوے ماتمِ ذوقِ نظر کرنے لگے
انجمن کی انجمن کو محوِ حیرت دیکھ کر

مطالباتِ محبت ہی کچھ شدید سے تھے
تمہاری چشمِ عنایت کا کچھ قصور نہیں

پرویز شاہدی کے یہاں اس نوع کے عشقیہ اشعار کو دیکھ کر مظہر امام رقم طراز ہیں:

''اگر پرویز شاہدی عشق کے اس تصور کو پھلنے پھولنے دیتے اور اگر جذبات کی رنگینی اور تجربات کی رنگا رنگی کے علاوہ ان کی اس نوع کی شاعری میں نفسیاتی گہرائی اور پیچیدگی بھی پیدا ہوتی تو یقیناً بڑی عشقیہ شاعری معرضِ وجود میں آتی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہی رنگ ان کے مزاج سے ہم آہنگ تھا۔ اور انہیں فطرتاً جو والہانہ پن اور کیف وسرمستی کی دولت عطا ہوئی تھی۔ اگر وہ جذبے کی آنچ، اور رُوح کی آگ میں تپ سکتی تو اُردو شاعری کو بھی ایک حافظ مل سکتا تھا۔''

(ناقدوں کے مقتول: پرویز شاہدی، مشمولہ، بازیافت

پرویزؔ شاہدی، مرتبہ، ڈاکٹر رئیس انور، ص، ۱۴۱۔)

ایک عرصے تک ساقی وشراب اور حُسن و عشق پرویزؔ شاہدی کی شاعری کے محبوب موضوع رہے لیکن جلد ہی وہ اس وادی سے نکل کر سماجی وسیاسی مسائل وموضوعات کی طرف مائل ہوئے اور اشتراکیت کے فلسفہ کو اپنایا۔ اشتراکیت بیسویں صدی کی اولین دہائیوں میں ایک فلسفہ حیات کے طور پر دنیا کے بہت سے دانشوروں کا مرکزِ نگاہ بن گئی تھی اور اسے بڑی مقبولیت حاصل ہورہی تھی۔ اس فلسفہ کو ایک ایسے نظامِ حیات کے طور پر دیکھا جارہا تھا جس میں زندگی کے بہت سے مسائل ومصائب کا حل ممکن ہو۔ اس فلسفہ سے متاثر ہونے کے بعد پرویزؔ شاہدی کے شعری شعور اور فکری محرکات میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اب پرویزؔ نے سارا زورِ بیان مسائلِ سیاست کو سلجھانے اور انہیں غزل کے دامن میں سمونے پر صرف کیا۔ اب انھوں نے مفلسی، بے روزگاری، طبقہ واریت اور سماجی ومعاشی عدم مساوات جیسے مسائل کو غزل کا روپ دینے کے لیے پرزور تیشہ آزمائی کی۔ چند دوسرے ترقی پسند شعراء کی طرح پرویزؔ نے بھی غزل کو کھردرے اور ناہموار معاملات ومسائل کا ترجمان بنایا۔ پرویزؔ کے یہاں قدم قدم پر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ غزل کی ظاہری خصوصیات کے تحفظ کے باوجود، وہ اس کی باطنی ترقی، دردآفرینی اور تاثیر خیزی کو محفوظ نہیں رکھ سکے جس میں فیضؔ زیادہ کامیاب ہوئے۔ فیضؔ اور پرویزؔ دونوں کے یہاں غزل کی روایات کا احترام پایا جاتا ہے لیکن فیضؔ کی غزل دل کو دردوسوز میں ڈبودیتی ہے تو پرویزؔ کی غزل رجزیہ جذبات کو بیدار کرتی اور بھڑکاتی ہے۔ پرویزؔ کی غزلیہ شاعری ظاہری طنطنہ و دبدبہ کے ماسوا اپنے باطن میں توانائی وگیرائی، صلابت وحرارت اور شوکت وسطوت کے عناصر بھی رکھتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہے تابناک تیرگیٔ سیم وزر ابھی
آیا نہیں ہے وقتِ طلوعِ ہنر ابھی
جلوے ہیں حُسن محض کے طوقِ گلوئے شوق
زندانیوں میں ہے نگہہِ معتبر ابھی
ماہ وخور اُگانے ہیں کہکشاں بنانا ہے
اے زمیں تجھی کو اب آسماں بنانا ہے
شوق کے تسلسل کو داستاں بنانا ہے
اک جہاں مٹانا ہے اک جہاں بنانا ہے
گل فروش تھا مالی ہوگیا چمن خالی
آج پتے پتے کو باغباں بنانا ہے

میں ہوں کتنے قد وگیسو کے جہاں کا معمار
سرگراں مجھ سے ہیں کیوں دارورَسن کیا جانو
تم تو کرتے ہو مری کلک سخن کو پابند
کون ہے کاتبِ تقدیرِ وطن کیا جانو

پرویزؔ شاہدی کی غزلیں عصری تقاضوں سے بھرپُور ہیں۔ اکثر پوری کی پوری غزلیں خارجی حقیقتوں کو اپنائی ہوئی ہیں لیکن ان میں فکری گہرائی ہے، سچائی اور دردمندی ہے، رجائی کیفیات ہیں، تجربے اور مشاہدے کی آنچ ہے۔ انھوں نے غزلوں میں روایت پسندی سے اگرچہ دامن بچانے کی کوشش کی ہے لیکن اسے بالکل توڑا ابھی نہیں ہے۔ ان کی غزلیں جدید حسّیت سے پُر ہیں۔ وہ بات کچھ بھی کہیں لیکن غزل کا رَچاؤ ضرور ہوتا ہے۔

موت کی تجارت کو زندگی نہیں کہتے
آدمی کے دشمن کو آدمی نہیں کہتے
ہے حیات اک شورش منزل آفرینی کی
آتی جاتی سانسوں کو زندگی نہیں کہتے
مژدۂ مسرّت کیوں آپ لے کر آئے ہیں
کپکپی کو ہونٹوں کی ہم ہنسی نہیں کہتے
ہے شعور کی وسعت روحِ نغمۂ شاعر
جہل کے ترنّم کو شاعری نہیں کہتے
اے شدّت فشار قفس یوں گلا نہ گھونٹ
بھولا نہیں ہوں زمزمہ بال وپر کو میں اے رات
تیری یورشِ ظلمت کے باوجود
اونچا کئے ہوئے ہوں نوائے سحر کو میں

پرویزؔ شاہدی کی غزلیں اپنے جری اور بے باک لہجے، آرزومندانہ اور اُمید پرورانہ لے اور پرجوش طرب آگیں اور نشاط افروز اظہار کی وجہ سے نمایاں شناخت کی حامل ہیں۔ ان کی غزلوں کا منفرد مزاج اور تیور ہے جو انھیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔

میں کیوں ساقی سے جاکر بھیک مانگوں جام زریں کی
کروڑوں انکھڑیوں کے کھل گئے ہیں آج میخانے
ابھی سے صبح گلشن رقص فرما ہے نگاہوں میں
ابھی پوری نقاب اُلٹی نہیں ہے شام صحرا نے
آنکھوں میں لئے پھرتے ہیں صبحِ رخِ جاناں
ہم تیرگی شام بلا سے نہیں ڈرتے
ہیں شمع سر راہ تو روشن ہی رہیں گے
ہم دامنِ رہزن کی ہوا سے نہیں ڈرتے

پرویزؔ شاہدی نے اشتراکی شاعر ہونے کے ناطے اگرچہ ہنگامی اور وقتی مسائل کو بھی غزل میں

سمونے کی کوشش کی تھی مگر اسی کے پہلو بہ پہلو ان کے یہاں ایسی دل پذیر غزلیں بھی ملتی ہیں جن میں رومانیت کی دھوپ چھاؤں، جذبے کی دھیمی دھیمی آنچ، والہانہ پن سرمستی، نشاط افروز ربودگی، کھوجانے کی کیفیت، فکری لطافت، رمز وایمائیت، موسیقیت اور غنائیت ہے۔

موقع یاس کبھی تیری نظر نے نہ دیا
شرط جینے کی لگادی مجھے مرنے نہ دیا
اس رفاقت پہ فدا میری پریشاں حالی
اپنی زلفوں کو کبھی تو نے سنورنے نہ دیا
تیری غمخوار نگاہوں کے تصدق کہ مجھے
غمِ ہستی کی بلندی سے اُترنے نہ دیا
میں نے دیکھا ہے تیرے حُسنِ خودآگاہ کا رعب
اجنبی نظروں کو چہرے پہ بکھرنے نہ دیا
حسنِ ہمدرد ترا ہم سفر شوق رہا
مجھ کو تنہا کسی منزل سے گذرنے نہ دیا
کتنی خوش ذوق ہے تیری نگہہ بادہ فروش
خالی رہنے نہ دیا جام کو بھرنے نہ دیا

پرویزؔ شاہدی آخری دور میں چند وجوہات کی بنا پر اشتراکیت سے بیزار ہوگئے تھے۔ بہت سے وہ خواب جو انھوں نے اپنی زندگی میں دیکھے تھے، ادھورے رہ گئے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کی زندگی غم وحسرت کا مرقع بنتی چلی گئی تھی۔ اب ان کی آواز میں تھکاوٹ اور لب ولہجہ میں مایوسی اور افسردگی پیدا ہوگئی تھی۔ ان کی اس دَور کی غزلوں میں شکست کی آواز دَر آئی تھی۔ ان کی اس دَور کی غزلیں بھی فکری لطافت، فنی نادرہ کاری، جدّتِ ادا، نُدرتِ خیال اور معنی آفرینی کی وجہ سے بے حد متاثر کرتی ہیں۔

جلتے رہنا کام ہے دل کا بجھ جانے سے حاصل کیا
اپنی آگ کے ایندھن ہیں ہم ایندھن کا مستقبل کیا
پَروانے اب اپنی اپنی آگ میں جَلتے رہتے ہیں
شعلوں کے بٹوارے سے تھا مقصد شمع محفل کیا
ٹوٹی دھنک کے ٹکڑے لے کر بادل اُڑتے پھرتے ہیں
کھینچا تانی میں رنگوں کی سورج بھی ہے شامل کیا
مِرے غم کو کیجئے نہ تازہ دم، ہوس خوشی سے نہ کھیلئے
مری زندگی ہے تھکی ہوئی مِری زندگی سے نہ کھیلئے
مرے جلتے رہنے پہ منحصر ہے دلوں کے قافلے کا
سفر میں چراغ راہگذر نہیں، مِری زندگی سے نہ کھیلئے
خاموشی بحران صَدا ہے تم بھی چُپ ہو ہم بھی چُپ
سناٹا تک چیخ رہا ہے تم بھی چپ ہو ہم بھی چُپ
دل والوں کی خاموشی ہی بارسَماعت ہوتی ہے
بے آوازی کرب فضا ہے تم بھی چُپ ہو ہم بھی چُپ
سکتے تک اب آ پہنچا ہے بڑھتے بڑھتے کرب سکوت
ہونٹوں پر کیا وقت پڑا ہے تم بھی چُپ ہو ہم بھی چُپ
کیسی نرمی کیسی سختی، لہجے کی کیا بات کریں
فکر ہی اَب گم کردہ صَدا ہے تم بھی چُپ ہو ہم بھی چُپ

پرویزؔ شاہدی نے طنزیہ پیرایہ کا استعمال بھی بڑے سلیقے سے کیا ہے۔ دیکھئے انھوں نے جدید تہذیب اور دانشِ حاضر پر کس دردمندی سے طنز کیا ہے۔

فسُردہ ہے علم، حرفہائے کتاب بھی بُجھ کے رہ گئے ہیں
ہے راکھ ہی راکھ مدرسوں میں
نصاب بھی بُجھ کے رہ گئے ہیں
دلوں میں شعلے سسک رہے ہیں
جمی ہوئی برف ہے لبوں پر
سوال بھی بجھ کے رہ گئے ہیں
جواب بھی بُجھ کے رہ گئے ہیں

یہ پوری غزل فکر انگیز ہے۔ پرویزؔ شاہدی نے غزل میں ہیئت واسلوب کا کوئی نیا تجربہ تو نہیں کیا، البتہ انھوں نے پُرانی علامتوں کے ساتھ کچھ نئی علامتیں استعمال کیں اور قدیم علامتوں کو نئے مفاہیم عطا کیے۔ اپنی غزلوں میں انھوں نے رات، اُجالا، ندی، شہر، گلی، خیمہ، طناب اور ہوائے تُند جیسی کچھ ایسی علامتیں استعمال کیں جس کے ذریعے انھوں نے جدید زندگی کے مسائل اور اُلجھنوں، معاشرتی نظام کی چیرہ دستیوں اور جدید ذہن کی پے چیدگیوں کا معنی خیز اظہار کیا ہے۔

یہ صَف حشمت مآبوں کی، یہ صف عالی جنابوں کی
تمہاری انجمن خلوت بنی ہے باریابوں کی
ہوائے تُند میں یہ ریشمی خیمے نہ ٹھہریں گے
کہاں تک آزماؤ گے وفاداری طنابوں کی
یہ ہے شہر ہوس پہچاننا مشکل ہے لوگوں کا یہاں
چہرے بھی بکتے ہیں دوکانوں میں نقابوں کی

پرویزؔ شاہدی کے یہاں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جو محض رسمی تغزّل کے مظہر ہیں، جن میں تخلیقی اظہار کی کوئی شان پیدا نہیں ہوسکی ہے اور جن میں سوز وگداز مفقود ہے مگر مجموعی طور پر ان کی غزلوں میں بڑی تازگی اور توانائی کا احساس ہوتا ہے۔ پرویزؔ کی طبیعت کے گداز اور جوش نے ان کے احساس کی شدّت، جذبے کے وفور، آواز کی گونج، لہجے کی کھنک، اسلوب کے بانکپن، امیجری اور ڈکشن کی ندرت اور اظہار کی معنی خیزی سے مل کر ان کی غزلیہ شاعری کو منفرد، توانا، تابناک اور اثر خیز بنادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شعروادب میں پرویزؔ شاہدی کی غزلیہ شاعری بڑی اہمیت کی حامل ہے جو عمیق نظر کا مطالبہ کرتی ہے اور سنجیدہ توجّہ کی مستحق ہے۔ ***

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

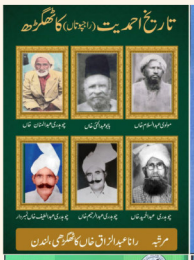

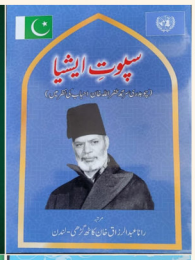

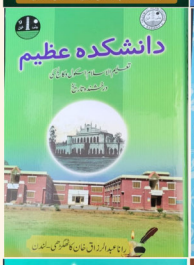

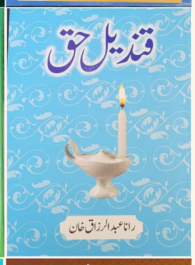

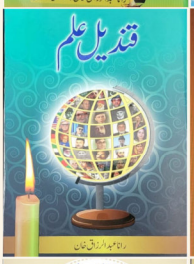

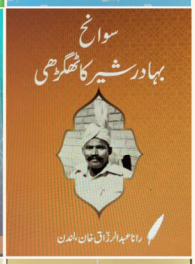

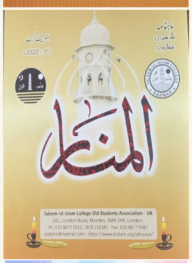

معروف شاعر وادیب، کالم نگار، مقرر، مبصر، اور مصنف
رانا عبدالرزاق خاں صاحب
کی خدمات کا جائزہ

تاریخ پیدائش: 13/4/1951 تعلیم: بی اے۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔ جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ بحرین (عربیین گلف) عرصہ 9 سال۔ نمبردار چک 2TDA اور صدر جماعت احمدیہ 21 سال۔

لندن آمد 2005 دفتر مجلس انصاراللہ مرکزیہ یو کے میں رضاکارانہ خدمت، بطور نائب قائد عمومی 10 سال۔ مکرم مبارک احمد صدیقی صاحب کی نگرانی میں مجلس شعر وسخن کا قیام۔

اخبار یو کے ٹائمز میں بطور کالم نگار اور ایڈیٹر گوشہ ادب۔

2010 اخبار احمدیہ یو کے کے ادارتی بورڈ میں شمولیت۔

2011 تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے کی مجلس عاملہ میں شمولیت

2013 تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے کی مجلس عاملہ میں سیکرٹری تجنید

2013 جنوری میں ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجراء۔

2015 تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ میں جنرل سیکرٹری منتخب

2015 ماہنامہ المنار یو کے کا ایڈیٹر مقرر

2016 مذہبی مضامین پر مشتمل کتاب (قندیل حق) شائع کی

دوسری کتاب قندیل علم شائع کی جو کہ کالموں پر مشتمل ہے۔

2017 میں دانشکدہ عظیم 600 صفحات پر مشتمل تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ شائع کی۔

2018 جنوری میں قندیل حق سہ ماہی کا اجرا۔

2020 فروری میں ساری فیملی کے ساتھ سعادت عمرہ کی توفیق پائی۔

2020 جون سپوت ایشیا 622 صفحات پر مشتمل سر چوہدری ظفراللہ خاں کی زندگی کے متعلق۔

2022 میں ناصر احمد بہادر شیر کی سوانح شائع کی اور قندیل ادب کا سالنامہ دوصد صفحات پر مشتمل نکالا۔

2023 میں تاریخ جماعت احمدیہ کاٹھگڑھ شائع کی۔ صفحات 500

سر افتخار ایاز اکیڈمی، یوکے

فون نمبر: 07886304637

ہم عصر اردو افسانہ میں حاشیائی کرداروں کی عکاسی

احمد علی جوہر۔ ریسرچ اسکالر جوہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی،

اردو افسانہ عہد حاضر کی سب سے مقبول صنف نہ سہی مگر اردو نثر کی مقبول ترین صنف ضرور ہے۔ اردو میں افسانے کی ایک ثروت مند روایت رہی ہے۔ زندگی کے درد بھرے اور سکھ بھرے منظر ناموں سے افسانہ ہمیں روشناس کرواتا ہے۔ افسانے میں تاریخ، ثقافت اور ہم عصر زندگی نمو پاتی ہے۔ کہا جاتا رہا ہے کہ افسانہ زندگی کا نقیب ہے۔ اس صنف سے عصری آگہی کا علم ہوتا ہے کیوں کہ افسانے کی جڑیں زمین میں پیوست ہیں۔ وہ زمینی حقائق کی بات کرتا ہے۔ ہم عصر اردو افسانہ گویا تفہیم زندگی کا کردار خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔

ہم عصر اردو افسانہ میں ترقی پسندی اور جدیدیت کے مثبت رویّوں سے استفادہ کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور موضوعات کے اعتبار سے اس کا دائرہ کافی وسیع نظر آتا ہے۔ ہم عصر اردو افسانہ نگاروں نے سماج کے سُلگتے ہوئے مسائل جیسے بڑھتی آبادی، بے روزگاری، ماحولیاتی کثافت، اقلیتی طبقہ کے تئیں حکومت کے معاندانہ رویّے اور اس کا سماجی، سیاسی استحصال، حکومت کی بدعنوانی، رشوت ستانی، کالا بازاری، انتظامیہ کی بے بسی، لاقانونیت، سرمایہ داری کا عروج، اس کی چپیٹ میں آئے ہوئے عام لوگ، حکومت اور عوام کے بیچ بڑھتی ہوئی خلیج، سیکولرزم کے نام پر عوام کا سیاسی استحصال، حکومت پر عوام کا عدم اعتماد، اس سے پیدا شُدہ سماجی، سیاسی بُحران، جرائم کا بڑھتا گراف، علاقائی، لسانی، مذہبی اور مسلکی تعصب، نسلی امتیاز، دہشت گردی، بنیاد پرستی، اعلی اخلاقی قدروں کا زوال، عورتوں کا جنسی استحصال، مغربی تہذیب کا بڑھتا ہوا اثر، ہم جنسی کی تحریک، نئی نسل کی اپنی تہذیبی اور اخلاقی روایات سے بیزاری اور مغربی تہذیب سے حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی، نئی اور پرانی نسل کا ذہنی تصادم، لوٹ، مار اور قتل وغارت گری وغیرہ کو اپنے افسانوں کا موضوع بنا کر بڑی مہارت و ہنرمندی سے عہد حاضر کی زندگی اور اس کی سفاک حقیقتوں کی ترجمانی کا فریضہ انجام دینے کی سعی کی۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ ہم عصر اردو افسانہ نگاروں نے حاشیائی آبادی کی جوجھتی زندگی اور اس کے دردناک مسائل پر بھی خاصی توجہ دی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سارے ہم عصر اردو افسانہ نگاروں نے اس طرف اپنی توجہ مبذول نہیں کی ہے لیکن بیشتر ہم عصر اردو افسانہ نگاروں کے یہاں حاشیائی آبادی کی زندگی اور اس کے مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ اقبال مجید ہم عصر اردو افسانہ کا ایک معتبر نام ہے۔ ان کی مشہور کہانی ''آگ کے پاس بیٹھی عورت'' میں دلت حاشیائی کرداروں کی پُرزور عکاسی ملتی ہے۔ دلتوں کی روزمرّہ کی زندگی، ان کی بستی کی گندگی، ان کی عورتوں کی برہنگی اور ننگے دھڑنگے بچے میں لتھڑے اور گرد سے اٹے بالوں والے ناک بہاتے اور غلاظت میں لت پت بچوں پر فلم بنا کر پیسے کمانا ایک عام فیشن بن گیا ہے لیکن ان کے پے چیدہ مسائل کے بارے میں سوچنے اور ان کا حل نکالنے میں انتظامیہ سے لے کر سماجی کارکنان تک کسی کو سچی دلچسپی نہیں ہے۔ اس طرح صدیوں سے ان کی زندگی کا مذاق اڑایا جاتا رہا ہے لیکن اب دلتوں میں بھی کافی بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ اب وہ اپنی زندگی کا مذاق اُڑانے والوں کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیتے بلکہ ان سے انتقام لیتے نظر آتے ہیں۔

فلم ڈائرکٹر رام کمار شرما جب دلتوں کے مسائل پر فلم بنانے کے لیے دلت بستی میں پہنچتا ہے تو گاؤں کا مکھیا ان کا احترام کرتا ہے۔ ڈائرکٹر مکھیا سے کہتا ہے۔ ''یار کچھ پانی وانی پلا دو''۔ مکھیا ایک بیل گاڑی والے کو اشارہ کرتا ہے جو پانی لاتا ہے۔ مکھیا کہتا ہے۔ ''پانی برتن سب ٹھاکر گاؤں کا ہے۔'' فلم ڈائرکٹر کہتا ہے۔ ''ہم تمہارے برتن میں پانی پئیں گے۔ اٹھاؤ وہ گلاس۔'' کئی بار ڈائرکٹر کے اصرار کے باوجود جب مکھیا گلاس نہیں اُٹھاتا تو ڈائرکٹر چولہے کے پاس بیٹھی عورت سے کہتا ہے۔ ''ارے وہ گلاس تو دینا'' عورت اُٹھ کر ڈائرکٹر کو گلاس دیتی ہے۔ ڈائرکٹر گلاس کو دھو کر پانی پیتا ہے اور مکھیا سے کہتا ہے۔ 'ہم شرما ہیں، پنڈت! تم اتنا سنکوچ کیوں کر رہے تھے گلاس دینے میں؟''

''وہ آپ کے پانی پینے کے لیے نہیں تھا صاحب۔''

'کیوں؟ تم پی سکتے ہو، تو ہم کیوں نہیں پی سکتے؟'' ڈائرکٹر نے پوچھا۔

''اس سے ہماری عورت سور کے بیمار بچے کو دودھ بھی پلاتی ہے۔''

''یہ سن کر ڈائرکٹر سناٹے میں آ گیا'' (آگ کے پاس بیٹھی عورت)

یہاں دلت عورت بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ڈائرکٹر کو گلاس دے کر دراصل اس انتقامی جذبہ کا مظاہرہ کرتی ہے جو اس طبقہ کے اندر اونچی ذاتوں کے خلاف صدیوں سے پل رہا ہے۔ اس جذبہ کا مظاہرہ کر کے اس عورت کو کتنی مسرت وطمانیت کا احساس ہوتا ہے، سننے راوی کی زبانی:

''مجھے لگا جیسے اس پیش قدمی سے ڈائرکٹر کی جانب سے ہونے والے خاطر خواہ عمل کے سبب وہ عورت کچھ ایسی مسرور اور مطمئن تھی جیسے اس کا پورا وجود کسی لمبی اذیت، اندوہنا کی اور درد وداغ کو سہتے سہتے یکا یک نکلنے والی ایک ایسی سسکی بن گیا تھا جس سسکی کے نکل جانے سے روح کو کچھ ایسا آرام مل جاتا ہے جیسے دیر سے ٹھہرے ہوئے پیشاب کے نکل جانے سے ملتا ہے۔''

(آگ کے پاس بیٹھی عورت)

یہ دلت عورت اتنے ہی انتقامی عمل پر بس نہیں کرتی ہے بلکہ ڈائرکٹر کے جھوٹے کیے ہوئے المونیم کے گلاس کو لوہے کے چمٹے سے پکڑے ہوئے شعلوں پر

رکھ کر گرم کرتی ہے تا کہ گلاس کا جھوٹا پن ختم ہو جائے۔ اس دلت عورت کے انتقامی عمل اور بغاوت کے جذبہ کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اب دلتوں کو بیوقوف بنانا یا ان کی زندگی کا مذاق اُڑانا آسان نہیں ہے کیوں کہ اب ان میں بھی بیداری اور بغاوت کی لہریں جنم لے چکی ہیں۔ بغاوت کی یہ لہر کب شعلہ بن جائے کہنا مشکل ہے۔ اس لیے اب حکومت کو پچھڑے دلتوں کے مسائل پر سنجیدگی سے سوچنے اور انھیں ان کے بنیادی حقوق دینے کی ضرورت ہے۔ اس کہانی میں دلت بستی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ قابل توجہ ہے:

''جب ہماری جماعت گاڑیوں سے اس مقام پر پہنچی تو... ہم سے کچھ فاصلے پر ایک جھونپڑی سے باہر زمین پر لکڑی کا چولہا جلائے ایک عورت اپنے روزمرہ کے کام میں مصروف تھی۔ اس دن ہوا ٹھہری ہوئی تھی۔ موسم پر ایک عجیب طرح کی الکسی اور تھکن سی طاری تھی۔ کچھ فاصلے پر ان لوگوں کی پالی ہوئی غلاظت میں لتھڑی سوریاں اپنے بچوں کو پیچھے پیچھے لیے اس جھاڑ جھنکاڑ میدان کی طرف سے واپس آ رہی تھیں جسے وہ لوگ رفع حاجت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ کیچڑ زدہ راستے کے کنارے جھاڑیوں کی جانب ایک کشادہ گڑھا تھا جس میں برساتی پانی لبالب بھرا تھا۔ اس کے کنارے پڑے پتھروں پر دو تین کم سن لڑکیاں کپڑے دھو رہی تھیں۔ میں نے کھلے اور شفاف آسمان پر کچھ گدھوں کو منڈلاتے دیکھا۔ شاید بستی کے کسی چمار نے گاؤں کی سرحد پر کسی مُردہ جانور کی کھال کچھ ہی دیر پہلے اُتاری ہوگی۔ کبھی کبھی اگر ذرا بھی ہوا چلتی تو شمال کی جانب سرنگوں قدیم بون مل (Bone Mill) کے اوبڑ کھابڑ کمپاؤنڈ میں جانوروں کی ہڈیوں کے ڈھیر سے مل کی ادھڑی دیواروں کو پھاند کر شدید بو کا ایک تیز جھونکا آتا۔'' (آگ کے پاس بیٹھی عورت)

اس اقتباس سے دلت بستی کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ ترقی کا دم بھرتی ہوئی ہماری حکومت کے سامنے ایک سوالیہ نشان ہے کہ آخر اس جیسی دلت بستیاں اب تک ترقی سے محروم کیوں ہیں؟ شہروں میں سلم ایریا (Slum Area) کی حالت بھی انتہائی خستہ اور گھناؤنی ہے۔ سلام بن رزاق نے اپنی مشہور کہانی ''انجام کار'' میں سلم ایریا اور اس میں بسنے والوں کی زندگی کی تصویر کشی بڑی فن کاری سے کی ہے۔ اس کہانی میں قانون کی پسپائی، انتظامیہ کی بے بسی اور سسٹم کی ناکامی کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ یہ ایک کلرک کی کہانی ہے جو اپنی معمولی تنخواہ کی وجہ سے سلم ایریا/جھگی جھونپڑی میں رہنے پر مجبور ہے جہاں حاشیائی آبادی کی ایک بڑی تعداد رہتی ہے۔ افسانہ نگار نے کلرک کی زبانی اس علاقہ کی جس فنی ہنرمندی سے مرقع کشی کی ہے وہ ملاحظہ ہو:

میں جیسے ہی گلی میں داخل ہوا اس جانے پہچانے ماحول نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ٹین کی کھولیوں کے چھجوں سے نکلتا ہوا دھواں، اِدھر اُدھر بہتی نالیوں کی بدبو اور ادھ ننگے بھاگتے دوڑتے بچوں کا شور، کتّوں کے پلّے، مرغیاں اور بطخیں۔ دو ایک کھولیوں سے عورتوں کی گالیاں بھی سُنائی دیں۔ جو شاید اپنے بچّوں یا پھر بچّوں کے بہانے پڑوسنوں کو دی جا رہی تھیں۔''

(انجام کار، مشمولہ ننگی دوپہر کا سپاہی، ص۔ ۱۳۹، ۱۴۰)

اس افسانہ میں دراصل ایک کلرک، غنڈوں سے اس کے مُڈبھیڑ، سسٹم کی بے حسی اور بے حس سسٹم سے کلرک کے مصالحت کر لینے کے واقعے کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کلرک کے حوالے سے سلم ایریا، وہاں پہ بسی حاشیائی آبادی کی روزمرّہ زندگی کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ ہندوستان کے بمبئی، دلی اور کلکتہ جیسے بڑے شہروں کے سلم ایریاز کا پورا منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کہانی میں کلرک کے دُکھ درد کو تو بیان کیا ہی گیا ہے، ساتھ ہی شہروں میں جھگی جھونپڑی میں رہنے والوں کی المناک زندگی کی بھیانک تصویر گری کی گئی ہے۔ حاشیائی لوگوں کی زندگی پر جابر حسین نے بھی کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کی بیشتر کہانیاں حاشیائی کرداروں اور ان کی بپتا بھری زندگی سے متعلق ہیں۔ مشہور دیدہ ور نقاد گوپی چند نارنگ اپنے مضمون ''جابر حسین کی آلوم لاجا اور ٹال کی مرنی'' میں رقم طراز ہیں: ''بات گاؤں دیہات، قصبات کی نہیں، جابر حسین جس مخلوق کا ذکر کرتے ہیں بظاہر وہ انسان ہے لیکن جو گزر بسر وہ کرتی ہے اور جس سماجی فضا میں وہ سانس لیتی ہے اور جو برتاؤ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔'' (فکشن شعریات تشکیل وتنقید، ص، ۴۰۴)

کہانی ''اپنی بات'' کا ناجوبی ایک ایسا ہی کردار ہے۔ اس کا روز کا معمول گھر بھر کو ناشتہ کھلانا، بڑوں کے لیے کھانا تیار کرنا، کپڑے دھونا اور بچوں کے لوٹ آنے کے بعد ہی کچھ لینا ہے۔ وہ کب سوتی، کب جاگتی ہے، شاید ہی گھر بھر میں کسی کو معلوم پڑتا ہو۔ بچے لوٹ کر آتے ہیں تو وہ ناجوبی کو کام میں کھویا ہوا پاتے ہیں: ''تیز ہواؤں اور لُو کی کیفیت سے گزر کر مکان میں داخل ہوتے ہی مجھے ناجوبی باورچی خانے سے لگے نل پر کوئلے کے منجن سے منہ دھوتی دکھائی دیتیں۔ کتابیں ادھر اُدھر ڈال کر سیدھے ناجوبی کے پاس پہنچتا، دونوں ہاتھ ان کی گردن میں ڈال کر باورچی خانے کے چبوترے پر جھول جاتا۔ پتھریلے آنگن میں گرتے گرتے بچتی تھیں ناجوبی۔ ان کے بھیگے گالوں سے رسنے والی بوندیں اکثر میرے کپڑے بھگو دیتی تھیں۔'' (اپنی بات، مشمولہ ریت پر خیمہ، ص، ۲۲)

ناجوبی جوایثار، اپنائیت، چاہت اور ممتا کی پیکر ہے لیکن بے رحم سماج کے جابرانہ قانون نے اسے اسفل اور بدتر زندگی جینے پر مجبور کر دیا ہے۔ جابر حسین نے پچھڑی ذات کی عورتوں کے استحصال پر بڑی موثر کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کہانیوں میں انھوں نے مظلوم و پسماندہ عورتوں کے کرداروں کی ایسی مرقع کشی کی ہے کہ انھیں قاری کے دل و دماغ میں نقش کر دیا ہے۔ اس ضمن میں گوپی چند نارنگ کی رائے ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں: ''شانتیا، جینی، مرنی، رضیہ، شیاملی، سنکلی، کسنیا یا

رام سیہنی کی عورت فقط دکھوں کا بوجھ ڈھونے، اغوا اور زنا کاری کا شکار ہونے یا بے نام موت مرجانے والوں کے ٹائپ نہیں بلکہ ایسے زندہ کردار ہیں جن کی مظلومیت اور دکھ میں ڈوبے ہوئے امیج ذہن میں ایسے نقش چھوڑ جاتے ہیں کہ مٹائے نہیں مٹتے۔'' (فکشن شعریات تشکیل وتنقید، ص، ۴۰۶)

''آلوم لاجاوا'' کہانی میں جابر حسین نے ایک سنتھال عورت جینی کی پتا کو بیان کیا ہے۔ اس کا شوہر جوزف پولیس ان کاؤنٹر میں مار دیا گیا ہے۔ لاش کو ٹھکانے بھی لگا دیا گیا ہے لیکن جینی کو پتہ نہیں ہو پاتا۔ اسی لیے اس کو اپنے شوہر کے مرنے پر یقین بھی نہیں ہوتا۔ شوہر کے مرنے کے بعد گاؤں کا پردھان شراب کے نشے میں دُھت اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور روپے، پیسے کا لالچ دے کر اس کا جنسی استحصال کرنا چاہتا ہے۔ جینی ایک غیرت مند عورت ہے۔ وہ شہر میں جا کر پہاڑی عورتوں کے بیچ کام کرنا چاہتی ہے تاکہ کسی کے رحم وکرم پر نہ رہے۔ لیکن گاؤں کا پردھان چاروں طرف سے استحصال کا ایسا جال پھیلاتا ہے کہ جینی جیسی لاچار و مجبور عورتوں کو ظلم سے نجات نہیں ملتی اور استحصال کے سائے میں کراہ کراہ کر زندگی جینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ جابر حسین کی اس نوع کی کہانیوں کو پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کہیں نہ کہیں بے بس ہے جس کی وجہ سے ظلم سماج میں دندناتا پھر رہا ہے اور سماج کے انتہائی پس ماندہ طبقے جانوروں سے بھی بدتر زندگی جینے پر مجبور ہیں۔ اس قسم کی کہانیاں ساجد رشید کے یہاں بھی اکثر ملتی ہیں۔ ''دوپہر'' اسی طرح کی کہانیوں میں سے ایک ہے۔ اس میں ایک چمار خاندان کے دُکھ درد کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ خاندان تین افراد پر مشتمل ہے۔ ایک بوڑھا، اس کا نوجوان بیٹا اور اس کی بہو۔ بوڑھے کی بہو کو بادشاہ کا بیٹا ولی عہد راستے سے گزرتے ہوئے نہانے کی حالت (نیم برہنہ حالت) میں جھانک کر دیکھتا ہے اور اسے اپنی طرف رجھانے کے لیے گلاب کا پھول اس کی طرف پھینکتا ہے۔ اس چھیڑ خانی کی شکایت بوڑھا بادشاہ سلامت سے کرتا ہے تاکہ اسے انصاف ملے۔ لیکن ایک ایسے سماج میں جس کی رگوں میں ظلم واستحصال سرایت کیے ہوئے ہو، حکمراں طبقہ کے خلاف شکایت کرنا بھی بڑا بھاری جُرم قرار پاتا ہے۔ دیکھیے کہ بوڑھے کو اس جُرم کی کتنی بھاری قیمت چُکانی پڑی۔ اس کے چمار ٹولے پر رات کو حملہ ہوا۔ سارا مال واسباب تہس نہس کر دیا گیا۔ توڑ پھوڑ مچائی گئی اور عورتوں خصوصاً بوڑھے کی بہو کی عصمت لوٹی گئی۔ دوسرے دن جب بوڑھا اپنی بہو، بیٹے کے ساتھ تحصیل پہنچا اور سنتری سے درخواست کی کہ اسے داروغہ جی سے ملنا ہے تو سنتری نے نذرانہ/رشوت کا مطالبہ کیا۔ اتنے میں اندر سے داروغہ جی کی آواز آئی کہ تینوں کو اندر بھیج دو۔

''تینوں جھجکتے ہوئے داروغہ جی کے کمرے میں پہنچے۔ بدن سے ننگا، کمان جیسی گھنی مونچھوں والا موٹا، بدشکل آدمی میز پر پیر پسارے ایک دیہاتی سے ہاتھ دبوا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بہو کی گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی اور وہ بے تحاشہ بھاگ نکلی۔ دونوں باپ بیٹے اس کے پیچھے لپکے۔ دونوں اسے آواز دے رہے تھے مگر وہ دوڑتی ہوئی تھانے کی سنگلاخ عمارت سے باہر نکل گئی۔ انہوں نے اسے بازار میں جا لیا۔ وہ کسی گوریّا کی طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ ''یہ وہی ہے دادا، وہی ہے۔ بھاگ چلو یہاں سے بھاگ چلو۔''

(دوپہر، مشمولہ نخلستان میں کھلنے والی کھڑکی، ص، ۴۳، ۴۴)

اس اقتباس کو پڑھ کر ایک باشعور قاری تلملانے لگتا ہے کہ مظلوم و بے بس افراد کو تحصیل جہاں سے عدل وانصاف کی امیّد ہے، معلوم ہوا کہ وہی کرپشن، بدعنوانی اور استحصال کا اڈّہ ہے۔ اس کہانی میں ساجد رشید نے کمزور وپسماندہ طبقوں کے تئیں حکمراں جماعت، موجودہ سیاست اور انتظامیہ کے بہیمانہ رویّوں کو بڑی فن کاری سے اُجاگر کیا ہے۔ کہانی کا اختتام دیکھیے کتنا جھنجھوڑنے والا ہے:

''وہ تینوں تھکے ہارے آگ برساتے آسمان کے نیچے اور تپتی زمین کے اوپر ایک نہ ختم ہونے والی سڑک پر دھیرے دھیرے چلے جا رہے ہیں۔''

(ایضاً، ص، ۴۴)

یہ نہ ختم ہونے والی سڑک ظلم وستم کی وہ سڑک ہے جس میں حاشیائی آبادی صدیوں سے سفر کر رہی ہے اور اس کے مقدر میں نجات کی کوئی منزل نہیں آتی۔ یہاں بوڑھے، اس کی بہو اور اس کے بیٹے کی المناک زندگی کو دیکھ کر قاری آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ قاری کو ان تینوں کرداروں سے ہمدردی ہونے لگتی ہے اور تینوں کردار قاری کے حواس پر چھا جاتے ہیں۔ کہانی ''ڈاکو'' میں بھی ساجد رشید نے حاشیائی کرداروں کے المیہ کو بڑی فن کاری سے بیان کیا ہے۔ کُرمیوں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ڈاکوؤں کے حملہ کا خطرہ ہے۔ گاؤں والوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے تھانیدار وہاں کیمپ ڈالتا ہے۔ کیمپ کے دوران تھانیدار غریب گاؤں والوں سے زبردستی عمدہ عمدہ کھانا بنوا کر کھاتا ہے اور نتّھو کُرمی کی بیوہ سے اپنی ہوس پوری کرتا ہے، پھر چند دن بعد تھانیدار گاؤں سے چلا جاتا ہے۔ پوری کہانی طنز میں ڈوبی ہوئی ہے۔ تھانیدار جسے غریب عوام کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے مامور کیا گیا تھا، اس نے اپنے جرائم سے ڈاکو کو بھی مات دے دی۔ اس نے جرائم کو انجام دینے کے ساتھ خوف ودہشت کی ایسی فضا طاری کر دی کہ اس کے خلاف زبان کھولنے کی کسی کی ہمّت نہ ہوئی۔ انتظامیہ اور حکمراں طبقہ کا یہی وہ جابرانہ وظالمانہ رویّہ ہے جس نے کمزور وپس ماندہ طبقوں کو سماج میں سر اُٹھا کر جینا دُوبھر کر دیا ہے۔

شموئل احمد عصر حاضر کے ایک ممتاز افسانہ نگار ہیں۔ ان کا مشہور افسانہ ''کاغذی پیراہن'' حاشیائی کرداروں کی زندگی سے متعلق ہے۔ یہ ایک گھریلو ملازمہ کی کہانی ہے۔ اس میں اس کی سسکتی زندگی کو دکھانے کی سعی کی گئی ہے۔ آمنہ بی بی جی کے گھر کی ملازمہ ہے۔ وہ اس کے گھر میں جھاڑو پوچھے لگانے اور برتن

دھونے کا کام کرتی ہے۔ اس کا شوہر شبراتی نکھٹو اور شرابی ہے جو آمنہ کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ آمنہ کو ایک پانچ سال کا بیٹا بلو ہے جس کو پڑھانے کے خواب وہ رات دن دیکھا کرتی ہے لیکن اسکول میں اس کے داخلہ کے لیے اس کے پیسے نہیں ہیں۔ اسی غرض سے اس نے اپنا پیٹ کاٹ کر، ایک ایک پائی جوڑ کر بی بی جی کے پاس پیسے جمع کرنا شروع کیا۔ جب ایک خاصی رقم جمع ہوگئی تو آمنہ بی بی جی سے مانگنے گئی۔ بی بی جی نے چوں کہ اس کے تمام پیسوں کو اپنے مصرف میں خرچ کر ڈالا تھا، اس لیے وہ مختلف بہانوں سے آمنہ کو ٹالتی رہی۔ جب آمنہ نے بہت عاجزی سے اور سخت ضرورت کا حوالہ دے کر اصرار کیا تو بی بی جی نے اسے اپنے گھر میں پڑی ہوئی ایک ٹی وی دے دی جو اس کے کسی کام کی نہیں۔ آمنہ نے مجبور ہو کر ٹی وی لے لی۔ جب آمنہ نے ٹی وی کو اپنے گھر میں سیٹ کیا تو اس کا شوہر ٹی وی دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اسے اپنی بیوی پر اتنا شک ہوگیا کہ وہ اسی وقت گھر سے باہر نکل گیا۔ بقول افسانہ نگار: ''شبراتی لوٹ کر نہیں آیا۔ آمنہ رات بھر انتظار میں کروٹیں بدلتی رہی۔ وہ جب صبح بھی نہیں آیا تو آمنہ گھبرا گئی۔ اس کو ڈھونڈنے کے ارادے سے باہر جانا چاہ رہی تھی کہ احاطے کے پیچھے شبراتی نظر آیا۔ وہ بلو سے پوچھ رہا تھا۔ ''گھر میں کون کون آتا ہے۔۔۔؟'' ''کوئی نہیں۔۔۔'' ''اماں کہاں کہاں جاتی ہے؟'' ''اماں کام کرنے جاتی ہے۔''

آمنہ کو لگا کسی نے اس کے سینے پر برچھی گھونپ دی ہے۔ اس نے بلو کو لپٹا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔۔'' (کاغذی پیراہن، مشمولہ، عنکبوت) یہاں آمنہ کو روتے دیکھ کر قاری کی آنکھوں سے بھی آنسو چھلک پڑتا ہے کہ بی بی جی نے آمنہ کے پیسے کو ہڑپ کر اس کا ایسا استحصال کیا اور اس کی اور اس کے بلو کی زندگی کو ایسے موڑ پہ لا کھڑا کیا جہاں زندگی اور انسانی رشتے ناطے دم توڑتے نظر آتے ہیں۔ یہ کہانی ہمارے So-Called مہذب سماج پر ایک طنز ہے جہاں نوکروں اور گھریلو ملازماؤں کے پیسوں کو بھی ہڑپ لیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کو ایسے ڈس لیا جاتا ہے کہ ان کی زندگی زہر آلود ہو جاتی ہے اور سسک کر دم توڑ دیتی ہے لیکن ہمارے نام نہاد تہذیب یافتہ سماج کو ان پر ترس نہیں آتا۔ حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو ہمارے سماج کی تعمیر میں مزدوروں کا بہت ہی اہم اور بنیادی رول نظر آتا ہے لیکن ان کو نظر انداز کر کے اور ان کا استحصال کر کے کہیں ہم اپنے سماج کی بنیاد کو کھوکھلا تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس پہلو کی طرف بھی یہ کہانی ہمیں متوجہ کرتی ہے۔

شوکت حیات بھی ہمارے عہد کے ذہین اور جینوئن افسانہ نگار ہیں۔ ہم عصر اردو افسانوی ادب میں ان کی خدمات اہم اور قابل قدر ہیں۔ ہم عصر اردو افسانہ میں ان کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ انھوں نے جہاں بہت سے موضوعات پر افسانے لکھے ہیں، حاشیائی کرداروں کی زندگی پر بھی انھوں نے کئی افسانے لکھے ہیں۔ ''مادھو'' ان کا ایک ایسا ہی افسانہ ہے۔ یہ افسانہ ایک طرح سے پریم چند کے کفن کی توسیع ہے۔ شوکت حیات کا یہ افسانہ موجودہ عہد کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس افسانہ کا کردار مادھو پریم چند کا مادھو نہیں ہے بلکہ آج کے زمانہ کا مادھو ہے جو زمیندارانہ سماج اور اس کے استحصالی نظام سے پوری طرح واقف ہے۔ اس کے اندر بغاوت کا جوش ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ وہ موجودہ زمیندارانہ سماج سے بغاوت کرتا ہے اور اس کے کُتّے (باڈی گارڈ/حفاظتی دستہ) کو مار ڈالتا ہے۔ کُتّے کو مارتے ہی مادھو کے لیے زندہ باد کے نعرے بلند ہوتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ استحصالی نظام پہ مادھو جیسے لوگوں کی فتح ہوگئی ہے لیکن اس کُتّے کے مرتے ہی دُور سے بہت سارے کُتّوں کے بھونکنے کی آوازیں سُنائی دینے لگتی ہیں۔ دُور سے بہت سارے کُتّوں کو بھونکتے دیکھ کر فوراً ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس ایک کُتّے کے مرنے سماج کے استحصالی نظام کا خاتمہ ممکن نہیں، بلکہ ابھی سماج میں بہت سارے کُتّے یعنی استحصال کرنے والے موجود ہیں جن کا خاتمہ ضروری ہے۔ اسی مقصد کے تحت مادھو جنگل کی راہ لیتا ہے تاکہ وہ گوریلا فوج بنا کر موجودہ استحصالی نظام کا خاتمہ کر سکے۔ جنگل کی طرف جاتے ہوئے مادھو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے یعنی اسے اپنی فتح کی بھی اُمید ہے۔ دیکھیے افسانہ نگار نے ان باتوں کی طرف کس خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے: ''لوگوں سے اسے کندھے پر اُٹھا لیا اور مادھو زندہ باد کے نعروں سے فضا گونجنے لگی۔ دفعتاً اسے بہت سارے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں دور سے آتی سُنائی دیں۔ اس کے چہرے سے کڑواہٹ مترشح ہونے لگی۔ کندھوں سے ایک جھٹکے سے کود گیا۔ جنگل کے اس پار سے نگاڑوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ دور کسی مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز فضا میں گونجی۔ ہجوم کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثر اُبھرے۔

معنی خیز نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے وہ جنگل کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کے ہونٹوں پر رینگتی ہوئی پراسرار مسکراہٹ دھیرے دھیرے پھیلتی جارہی تھی۔'' (مادھو، مشمولہ، گنبد کے کبوتر، ص، ۱۳۰) یہاں مادھو کے کردار کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ یہ مادھو پریم چند کے مادھو کی طرح بے حس اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والا مادھو نہیں ہے بلکہ یہ آج کے زمانہ کا وہ مادھو ہے جو نکسلی تحریک اور اس جیسی مختلف تحریکوں کا روپ لے کر حکومت کے سامنے ایک چیلنج کی صورت اختیار کر چکا ہے اور جو موجودہ استحصالی نظام کے خاتمہ کے درپے ہے۔ اس کے لیے وہ لگاتار کوششیں کر رہا ہے۔ اس لیے آج کے بدلتے سماج میں مادھو جیسے لوگوں کے مسائل کو نظر انداز کرنا حکومت اور سماج دونوں کے لیے ایسی چنگاری کو جنم دینا ہے جو کہیں شعلوں کی شکل اختیار کر کے ہمارے سماج کے لیے مزید تباہی کا باعث نہ بن جائے۔ شفق نے بھی حاشیائی کرداروں کی زندگی پر کئی افسانے لکھے ہیں۔ ایک افسانہ انھوں نے ''دوسرا کفن'' کے عنوان سے لکھا ہے جو پریم چند کے متن پر متن تعمیر کرنے کی عمدہ مثال ہے۔ اس کہانی کے کردار بھی گھیسو، مادھو اور بدھیا ہیں یعنی یہ

کردار آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور آج بھی ہمارے ملک میں ظلم واستحصال کا سلسلہ جاری ہے۔ آزادی کے بعد ملک میں بہت سی تبدیلیاں رُونما ہوئیں اور پسماندہ طبقوں کی حالت میں سُدھار لانے کے لیے بہت سے پروگرام بنائے گئے اور بہت سی اسکیمیں نافذ کی گئیں۔ یقیناً بہت سے کمزور طبقے ان سے مستفید بھی ہوئے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان ساری اسکیموں کے نفاذ کے باوجود آج بھی بہت سے پچھڑے لوگوں کی حالت بد سے بدتر ہے اور بدھیا جیسی لاچار عورت دوا دارو نہ ملنے کے باعث دردزہ میں تڑپ تڑپ کر مر رہی ہے۔ درج ذیل اقتباس میں افسانہ نگار نے مذکورہ تلخ حقائق کی طرف کس فن کاری سے اشارہ کیا ہے: ''ہاں مکھیا جی، صرف قانون بنانے سے سماجک نیائے ملے گا نہ سماجک پری ورتن ہوگا۔ ایک بھاری بھرکم آواز سُنائی دی۔۔۔ آزادی ملے پچاس برس گُزر گئے مگر پچھڑے لوگوں کی حالت میں کوئی سُدھار نہیں ہوا۔ آج کی گھٹنا نے مجھے لرزا دیا ہے، آج ہماری ایک بہن اس لیے مرگئی کہ اُسے دوا نہ مل سکی۔ اس کے گھر والوں کے پیٹ میں نہ دانا ہے نہ تن پر وستر۔'' (دوسرا کفن، مشمولہ، وراثت، ص، ۳۲) آج ہمارے سماج میں سیاستدانوں کا کیا منفی رول ہے اور کس طرح وہ عوام سے جھوٹے وعدے کرتے رہتے ہیں، اس کو بھی شفق نے فن کارانہ اسلوب میں بیان کیا ہے: ''میں پرتگیا کرتا ہوں کہ اگر آپ لوگوں نے ہمیں جن آدیش دیا تو ہم سماجک پری ورتن کو کتابوں سے نکال کر سب کے درمیان لائیں گے۔ میں اپنی پارٹی کی طرف سے ان بدنصیب لوگوں کو دس ہزار روپئے دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ زور کی تالیاں بجیں۔ فوٹوگرافر ان کی اور ان کی جھونپڑی کی تصویریں لے رہے تھے۔'' (ایضاً، ص، ۳۲) شفق کی کہانی ''رقص شرر'' میں بھی حاشیائی کرداروں کی زندگی کی پُردرد عکّاسی ملتی ہے۔ اس کہانی میں ایک پسماندہ ومظلوم خاندان کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ارشد اور نعیم کے باپ کو رنبیر سینا کے ہتھیارے کسی زمینی تنازع میں گولی سے ہلاک کر دیتے ہیں۔ پولیس آتی ہے اور اپنی فارمالیٹی پوری کر کے چلی جاتی ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا ''کہ موت کے ہرکارے کون تھے اور ان کے باپوں کا قصور کیا تھا۔ ساتھ دینا یا ساتھ نہ دینا۔'' باپ کے انتقال کے بعد ارشد اور نعیم پر بڑا بھیانک دور آتا ہے۔ ان کی ماں، بہنوں کو دوسروں کے گھروں میں جھاڑو، برتن، چھان پھٹک سے لے کر بوجھ ڈھونے تک کا کام کرنا پڑتا ہے، تب کہیں گھر میں چولہا جلتا ہے۔ ارشد اور نعیم دوسروں کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں مگر وہاں سال بھر کام نہیں چلتا۔ فصل بونے یا کاٹنے کے وقت ان کی ضرورت ہوتی ہے پھر ان کے حصّے میں بے روزگاری آتی ہے۔ ایسی بھیانک غربت اور بے روزگاری کی حالت میں وہ دونوں پیسے کمانے کے لیے شہر کا رُخ کرتے ہیں۔ ہوٹل والے کے پاس پہونچ کر کام مانگتے ہیں۔ ہوٹل والے بال مزدوری کے الزام کے ڈر سے انہیں کام پر نہیں رکھتے۔ یہاں سے ارشد اور نعیم قلی مزدوری کے کام کے ارادہ سے اسٹیشن جاتے ہیں لیکن وہاں لال قمیص پہنے قلی انھیں دھکّا دے کر بھگا دیتا ہے۔ یہاں سے ارشد اور نعیم کام کی تلاش میں آگے بڑھتے ہیں اور رکشے کے مالک کے پاس پہنچتے ہیں۔ یہ دونوں ان سے مزدوری پر رکشا چلانے کے لیے مانگتے ہیں لیکن رکشے کا مالک ان کی کم سنی کو دیکھ کر اور ان کے پاس کوئی پروف نہ ہونے کی وجہ سے انھیں رکشے دینے سے انکار کر دیتا۔ دونوں کو کام کی تلاش میں رات ہوجاتی ہے اور وہ دونوں بھوکے ایک بند دُکان کے باہر لیٹ جاتے ہیں لیکن بھوک کی شدّت سے نیند نہیں آتی ہے۔ صبح ارشد اور نعیم مختلف عالیشان عمارتوں کے دروازوں پر جاتے ہیں اور کہتے ہیں بی بی جی آپ کو نوکر کی ضرورت ہے؟ بی بی جی چور سمجھ کر انھیں نوکری پر نہیں رکھتی ہے۔ اس طرح مختلف بلڈنگوں میں بھی کام کی تلاش میں ان دونوں کو ناکامی ملتی ہے۔ ساتھ ہی دو دن سے کچھ کھانے کو بھی نہیں ملتا ہے۔ بھوک سے ارشد کی جو بُری حالت ہوتی ہے وہ افسانہ نگار کی زبان میں ملاحظہ ہو: ''ارشد کے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں جن پر وہ زبان پھیر رہا تھا۔ جب شام رات میں تبدیل ہوئی تو ارشد زمین پر بیٹھ کر رونے لگا۔ اب مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی، خالی پیٹ پانی پینے سے درد ہو رہا ہے۔'' (رقص شرر، مشمولہ، وراثت، ص ۱۵۱)

ارشد کی اس گمبھیر کیفیت کو دیکھ کر نعیم تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

''نعیم نے اسے پرتشویش نظروں سے دیکھا، تم یہیں بیٹھے رہو میں کچھ کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ بہت دیر بعد نعیم کو کوڑے کے ڈھیر پر ایک سوکھی ہوئی روٹی ملی۔ اس نے قمیص کے دامن سے گرد صاف کی، ارشد آنکھیں بند کئے کراہ رہا تھا مگر اس کے ہاتھ ہوا میں کچھ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ روٹی کا نام سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، نعیم نے اس کے ہاتھ پر روٹی رکھ دی جسے وہ فوراً منہ کے پاس لے گیا پھر رک کر نعیم کی طرف دیکھا اس کا چہرہ بھی بھوک سے ستا ہوا تھا۔ اس نے آدھی روٹی نعیم کی طرف بڑھادی، دونوں نے روٹی کھائی، نل سے پانی پیا اور زمین پر لیٹ کر گاؤں کو یاد کرنے لگے، گاؤں میں کبھی بھوکے نہیں سوئے۔ وہاں کسی نہ کسی درخت سے آم، امرود، پپیتا یا دوسرا پھل ضرور مل جاتا۔ وہ باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ صبح ہوئی تو دونوں مر چکے تھے۔ پولیس لاش اُٹھا لے گئی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے معلوم ہوا کہ رات انہوں نے جو روٹی کھائی تھی اس میں چوہا مارنے کا زہر ملا ہوا تھا۔'' (ایضاً، ص، ۱۵۱)

اس اقتباس کو پڑھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے کہ ارشد اور نعیم جو فطرتاً شریف ہیں، ایمانداری سے محنت مزدوری کرنا چاہتے ہیں لیکن معاشرہ میں ایسے لوگوں کو نہ کوئی پہچانتا ہے اور نہ قدر کرتا ہے بلکہ ایسے لوگوں کو بے دردی سے موت کے منہ میں ڈھکیل دیا جاتا۔ اس کہانی کے مطالعہ سے گاؤں اور شہر کا تضاد بھی اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ گاؤں میں ابھی بھی انسانیت کی رمق باقی ہے جب کہ شہر میں انسانیت دم توڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ گاؤں میں بھی استحصال ہوتا ہے مگر شہر میں

زیادہ استحصال ہوتا ہے اور انسانی قدروں کی دھجّیاں بھی خوب اُڑائی جاتی ہیں۔ آج کے زمانہ میں گاؤں اور شہر دونوں کے پاس بہت سے گمبھیر مسائل ہیں۔ ان مسائل کی چکّی میں زیادہ تر پسماندہ طبقے حاشیائی لوگ پستے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کو گاؤں اور شہر دونوں جگہ آسائشیں مہیّا ہیں اور ہر طرح کے سماجی، سیاسی اور معاشی مراعات حاصل ہیں جب کہ بیش تر پسماندہ طبقے دونوں جگہ اپنے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) سے محروم ہیں۔ اس محرومی نے ان کی زندگی کی جو دردناک حالت بنائی ہے، وہ ان کہانیوں میں بخوبی محسوس کی جاسکتی ہے۔

اس طرح کی کہانیاں احمد صغیر کے یہاں بھی اکثر ملتی ہیں۔ ''تعفن'' ایک ایسی ہی کہانی ہے۔ اس میں نچلی سطح پر زندگی جینے والوں کو ڑا بیننے والوں کے دُکھ درد کو سمویا گیا ہے۔ کہانی کا آغاز ملاحظہ ہو: ''دھوپ میں لت پت تھکا دن، چاکلیٹی شام کی گود میں سر رکھ کر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ فضا پر دھندلکا طاری ہو رہا تھا اور شہر بھر کے محلے کے سڑتے ہوئے گندے کوڑے کے ڈھیر سے دماغ تک کو گھٹن میں مبتلا کر دینے والے تعفن کا بھبھکا شام کی سرد ہوا کے ساتھ دور دور تک پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ یوں تو دن بھر اس کوڑے سے تعفن کے جھونکے اٹھتے رہتے تھے لیکن شام ہوتے ہوتے اس کی بدبو میں مزید اضافہ ہو جاتا مگر مُنوا کی زندگی میں ان بدبوؤں کو سونگھتے رہنے اور کچرا بیننے کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ شام ہوتے ہوتے اس کا بوسیدہ بورا کچرے سے بھر جاتا۔ گندی بوتلیں، استعمال شُدہ پولوتھین، ٹین کے ڈبے، شیشے کے ٹکڑے اور مختلف بظاہر بے کار چیزوں سے اس کا بورا بھاری نظر آنے لگتا۔ تب وہ سیدھا کباڑی کی دُکان پر پہنچتا۔ اُسے فروخت کرتا اور پیسے لے کر گھر کی طرف چل پڑتا۔ ماں اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی کہ کب وہ پیسہ لے کر آئے کہ چولہا گرم ہو۔'' (تعفن، مشمولہ، درمیاں کوئی تو ہے، ص، ۱۷)

مُنوا کا روز کا یہی معمول تھا۔ وہ کچرا بینتا، اُسے فروخت کرتا اور اسی سے اس کے گھر کی روزی روٹی چلتی۔ مُنوا تعفن میں رہتے رہتے اس کا اس قدر عادی ہو گیا کہ اب اس کے لیے خوشبو برداشت سے باہر کی چیز ہو گئی۔ جب مسز ملکانی نے اُس پر ترس کھا کر اُسے نہلا دُھلا کر نئے کپڑے میں ملبوس کیا اور اس کے لیے لذیذ وخوشبودار کھانا پکوایا تو کھانے کی خوشبو سے وہ چکرا کر نیچے گر گیا:

''آس پاس کی فضا سے بس خوشبو ہی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی جس نے مُنوا کو پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔ اس کے پیٹ میں سانس نہیں سما رہی تھی اور بالآخر مسز ملکانی نے جیسے ہی اسے خود اپنے ہاتھوں سے کھلانا چاہا۔ وہ چکرا کر کرسی سے نیچے گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔'' (ایضاً، ص، ۲۴)

اس کہانی میں مُنوا جیسے لوگوں کے مسائل کی عکاسی کے ساتھ ساتھ تعفن زدہ سماج کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے۔ ہم گندی بستیوں سے ناک پر رومال ڈال کر تو گزر جاتے ہیں مگر گندگی کو ختم کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچتے۔ کہیں یہ گندگی ہمارے سماج کے لیے کینسر کی شکل نہ اختیار کر لے۔ ہم عصر اردو افسانے کا ایک معتبر نام طارق چھتاری بھی ہے۔ ان کے یہاں بھی کئی ایسی کہانیاں ملتی ہیں جن میں حاشیائی کرداروں کی عکاسی ملتی ہے۔ ان کی کہانی ''گلوب'' میں نوکر کے جنسی استحصال کو بیان کیا گیا ہے۔ راجو میم صاحبہ کے گھر کا نوکر ہے۔ میم صاحبہ اس کا طرح طرح سے جنسی استحصال کرتی ہیں۔ جب راجو ان کے یہاں سے بھاگنا چاہتا ہے تو میم صاحبہ اس کے پیٹ میں کس کر لات جما دیتی ہیں اور کہتی ہیں۔ ''جاتا کہاں ہے؟ اِدھر آ۔۔۔۔'' کہانی کے اس اختتام کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ استحصال راجو جیسے لوگوں کا مقدّر ہے اور اس سے کسی صورت مفر نہیں۔ یہاں راجو کا کردار ظلم سہتا ہوا نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا بلکہ قاری کو متوجہ کرتا ہے اور اس کے ذہن پر اس کا نقش ثبت ہو جاتا ہے۔ حاشیائی کردار پر ''دس بیگھے کھیت'' بھی طارق چھتاری کی موثر کہانی ہے۔ اس میں چھدّا چمار کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ چھدّا چمار جب تک ٹھاکر ویدرام کے یہاں محنت مزدوری کرتا ہے، وہ آزاد و خوش حال زندگی گزارتا ہے لیکن جب حکومت اسے چک بندی پالیسی کے تحت دس بیگھے کھیت دے دیتی ہے تو اس کی زندگی خوش حال ہونے کے بجائے مزید مشکلات میں گھرتی چلی جاتی ہے کیوں کہ اسے نہ تو کھیتی کرنا آتا ہے اور نہ کھیتی کرنے کے لیے اس کے پاس پیسے ہوتے ہیں۔ لون پہ ہل بیل اور کھاد دینے کے لیے حکومت جو اصول بناتی ہے اسے پورا کرنا چھدّا جیسے پسماندہ لوگوں کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ جیسے تیسے کر کے وہ کھیتی کرتا ہے اور مزدوری بھی نہیں کر پاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قرض میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ یہاں چھدّا کی دردناک حالت کو دیکھ کر ترس آتا ہے اور وہ ہمارے دل میں گھر کرنے لگتا ہے۔ مذکورہ افسانہ نگاروں کے علاوہ اور بھی کئی ہم عصر اردو افسانہ نگاروں نے حاشیائی آبادی کی زندگی پر افسانے لکھے ہیں۔ ایسے افسانوں کے مطالعہ سے آج کی حاشیائی آبادی کی زندگی کے مختلف خدّوخال اور الگ الگ رنگ وروپ سامنے آتے ہیں۔ ہم عصر اردو افسانہ میں حاشیائی کرداروں کے مطالعہ سے یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ آج کے زمانہ کے حاشیائی کردار ظلم ضرور سہتے ہیں مگر بغاوت بھی کرتے ہیں اور اپنے حقوق کے تئیں بیدار بھی ہیں اور اس کے حصول کے لیے جدّوجہد بھی کرتے ہیں، البتّہ کچھ حاشیائی کردار بے بس و مجبور، لاچار اور مظلوم صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ لیکن یہ سارے کردار چاہے وہ اقبال مجید کی آگ کے پاس بیٹھی عورت ہو یا جابر حسین کی جینی، سلام بن رزاق کے سلم ایریا کی آبادی ہو یا ساجد رشید کی کہانی ''دوپہر'' کے بوڑھے کی بہو، شموئل احمد کی آمنہ ہو یا شوکت حیات کا مادھو، شفق کے نعیم اور ارشد ہوں یا احمد صغیر کا مُنوا یا طارق چھتاری کا چھدّا چمار، یہ سب کے سب ہمارے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔ ان کرداروں کے پیکر کو بڑی خوب صورتی سے تراشا گیا ہے اور

ان کی مرقع کشی بڑی فن کاری سے کی گئی ہے۔ یہ سارے کردار اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے اس طرح نمودار ہوتے ہیں کہ ہمارے حواس پر چھا جاتے ہیں اور ہم انھیں بھلانا بھی چاہیں تو نہیں بھول سکتے۔ یہ وہ یادگار حاشیائی کردار ہیں جو ہمیں کچوکے لگاتے ہیں اور غور و فکر پر مجبور کرتے ہیں کہ آج بھی ہمارے سماج میں انسان بہیمیت کی سطح پر جینے پر مجبور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ادب سماج کا آئینہ ہے۔ ہمارے ہم عصر اردو افسانہ نگاروں اپنے ادب کے آئینے میں ہمارے سماج کے انتہائی اہم ترین پہلو (حاشیائی آبادی کی المناک زندگی اور اس کے پیچیدہ مسائل) کو بے نقاب کر کے انتہائی گراں قدر ادبی فریضہ انجام دیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

دیسی خواتین

امجد مرزا امجد

دیسی خواتین کو باورچی خانے کے ڈونگے اور ڈبے کس قدر عزیز ہیں اس کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جن کے گھران ڈبوں میں کوئی چیز آتی ہے۔ تعلقات پر ہوسکتا ہے لیکن ڈبے پر نو کمپرومائز۔ فون پہ گفتگو کا محور و مرکز ہی پلاسٹک کے ڈبے ہوتے ہیں! اماں: صبح بھائی کے ہاتھ کریلے گوشت بھیج رہی ہوں، جو پہلے دو ڈبے ہیں نیلے رنگ کے وہ بھی واپس کر دینا یاد سے۔ تو کیا وہ ڈونگے اور ڈبے لیکر بینک جائے گا؟ اماں: ڈبے ہی ہیں بم نہیں، تم بس دے دینا۔۔ جی اچھا!! کل ہم اسلام آباد جا رہے ہیں اماں اماں سفر بخیر، واپسی پہ انٹر چینج سے گزرتے ہوئے وہ ڈبے پکڑاتی جانا جن میں گجریلا اور اچار بھیجا تھا۔ لیکن موٹروے سے آپ کا گھر ستر کلومیٹر دور ہے اماں: تو کیا ہوا؟ چل کے تھوڑی آنا ہے۔ جتنے کا فیول لگے گا اس میں دس نئے ڈبے آجائیں گے اماں: ٹھیک ہے، نئے ہی لیتی آنا ! اماں فلاں جگہ فوتگی ہوگئی ہے، آپ جائیں گی یا ابا؟ اماں: تمارے ابا ہی جائیں گے، تم وہ شیشے کا ڈبا لیتی آنا جس میں مربہ بھیجا تھا۔ میں تو نہیں آ رہی، آپ کے داماد ہی آئیں گے۔

اماں: اچھا تو اس کے ہاتھ بھیج دینا، کپڑے میں لپیٹ کے شاپر میں ڈالنا، ٹھیس نہ لگے۔ وہ دیں گے کس کو؟ اماں: تمہارے ابا جنازہ گاہ میں ہونگے، ان کو! یہ لیں اس بار میں خود ہی لے آئی آپ کے دونوں ڈبے! اماں: اچھا کیا، لیکن اس کا تو ڈھکن نیلے رنگ کا تھا، بدل لائی ہو تم؟ کوئی بات نہیں، ڈھکن لگا تو ہوا ہے نا۔ اماں: نہیں تم ڈھکن لیتی جاؤ، اور وہی نیلا ڈھکن بھیجنا میرا پورا سیٹ خراب ہوتا ہے۔ !اماں: آم کا مربہ بنایا تھا، کل تمہارے بھائی کا شاید چکر لگے میں بھیج دوں گی۔ شاپر ڈبل کر دیجئے گا، ڈبے سے شیرہ نہ گر جائے گاڑی میں۔ اماں: میں اس بار شاپر میں ڈال کے ہی بھیج رہی ہوں، اپنے ڈبے میں ڈال لینا۔ واپس تو تم کرتی نہیں ہو۔

تحریر ضرور پڑھیئے گا!

رجل خوشاب

میں ڈھابے پہ مردہ دِلی کے ساتھ بیٹھا چائے کا انتظار کر رہا تھا۔ دِل عجیب بوجھل سا تھا اور چہرے پہ بارہ بج رہے تھے۔ گاؤں کے ایک بابا جی میرے پاس آ کے بیٹھ جاتیہیں اور کہتے ہیں پُتر خیر ہے بڑا پریشان لگ رہا ہے۔ میں کمزور سی آواز میں کہتا ہوں کہ بس بابا جی کیا بتاؤں، گھر سے لڑ کر آیا ہوں۔ میری بیوی کو پتہ نہیں کیوں میری باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں۔ صحیح کہتے ہیں عورت کی عقل اُس کے گھٹنوں میں ہوتی ہے۔ بابا جی مسکرائے اور بولے جاوے جھلّیا تیرا وی کوئی حال نہیں۔ پر پُتر یہ جس نے مثال بنائی ہے نہ کہ عورت کی عقل گھٹنوں میں ہوتی ہے وہ خود کوئی پاگل ہی ہوگا۔ میں نے کہا نہ بابا جی نہ آپ نہیں جانتے اِن عورتوں کو۔"

بابا جی بولے نہیں پُتر تُو نہیں جانتا اصل میں عورت کو عورت کی شان کو۔ یہ تو وہ ہے جس کے ساتھ رب اپنی محبت کو ملا رہا ہے۔ اتنے میں لڑکا چائے لے کر آ جاتا ہے اور میں چائے کی چُسکی لیکر پھر بابا جی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ بابا جی اپنی چائے پرچ میں ڈال کر ٹھنڈی کرنے لگ جاتے ہیں۔ بابا جی پرچ سیہی چائے کی چُسکی لگا کے کہتے ہیں کہ واہ مزہ آ گیا چائے کا۔ چائے کی تعریف کرنے کے بعد بابا جی کہتے ہیں کہ سُن پُتر رب وہ ذات ہے جسے کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اُس ذات نے خود کی محبت کے بارے میں بتانا تھا کہ وہ انسان سے کتنی محبت کرتا ہے تو اُس نے ماں کا نام لیا کہ وہ ستّر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ جب کہ ماں ایک عورت ہے۔ بیٹی کو اللہ نے اپنی رحمت قرار دیا جبکہ بیٹی بھی ایک عورت ہے۔ پُتر میرا ماننا یہ ہے کہ ہم مرد، عورت کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ کہاں عورت اعلیٰ ظرف اور فراغ دِل کی مالک اور کہاں ہم کم ظرف اور تنگ دِل مرد۔ مجھے بابا جی کی باتیں لبھانے لگ گئیں تھیں۔ بابا جی بولے کہ عورت ہی وہ ہستی ہے جس کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی بس اسی بات سے ہی تو عورت کی شان کا اندازہ لگا لے۔ جب وہ آس سے ہوتی ہے تو اپنی پسند کی سب چیزیں چھوڑ دیتی ہے اپنی اولاد کے لیے۔ جب اولاد جنم دیتی ہے تو زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوتی ہے، پتہ ہی نہیں ہوتا کہ جیے گی یا مر جائے گی۔ پتہ ہے پُتر بائیس ہڈیاں بیک وقت

ٹوٹنے کے جتنا درد سہتی ہے ایک بچے کو جنم دیتے وقت۔ اتنا درد کبھی محسوس بھی کیا ہے تم نے۔؟

میں بابا جی کی باتوں سے لاجواب ہوتا جا رہا تھا اور آج عورت کے اصل مقام کا پتہ چل رہا تھا مجھے۔ بابا جی بولیا بھی آگے سُن پُتر اور کلیجے پہ ہاتھ رکھ کے سُنیں ذرا کہیں کلیجہ پھٹ ہی نہ جائے تیرا یہ کڑوا سچ سُن کے۔ پتہ ہے عورت کی سب سے بڑی خُوبی کیا ہے وہ بات بات پہ مرد کی طرح مردانگی نہیں دکھاتی، وہ مرد پہ تھپڑوں کی بارش نہیں کرتی۔

وہ مرد کو اُس کی اولاد کے سامنے گندی گالیاں نہیں دیتی۔ وہ غیرت کے نام پہ مردوں کے قتل نہیں کرتی۔ وہ بھوکے بھیڑیے کی طرح کسی پہ جھپٹ کے اس کا ریپ نہیں کرتی۔ وہ مرد کو غُصے میں طلاق نہیں دیتی۔ وہ گلیوں بازاروں میں مرد پہ آوازیں نہیں کستی۔

بابا جی کی باتیں سُن کے میں شرمندہ ہونے لگ گیا اور آنکھیں جھک گئیں میری۔ پسینے کی بوندیں میرے ماتھے پہ نمودار ہونا شروع ہوگئیں۔ بابا جی نے شاید میری شرمندگی محسوس کر لی تھی، اِسی لیے وہ تھوڑی دیر کے لیے چُپ ہو گئے۔ پھر بابا جی نے ڈھابے والے کو چائے کے کپ واپس لے جانے کے لیے آواز دیدی۔ اور پھر دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ پُتر تُو سمجھدار لڑکا ہے۔ بس ذرا جذباتی ہو جاتا ہے۔

بات کی نوعیت کو سمجھا کر اور پھر فیصلے کیا کر۔ پُتر ایک گھر میں روزانہ سب سے زیادہ بار جو نام لیا جاتا ہے وہ ایک ماں کا ہوتا ہے یا بڑی بہن کا اور یہ دونوں عورت ذات ہیں۔

ہمارے گھروں کا وجود عورتوں سے ہے۔ گھر مرد نہیں بساتے پُتر عورتیں بسایا کرتی ہیں۔ گھر کی رونقیں عورتوں کے ہی توسط سے ہوتی ہیں بیٹا۔ ہر چیز سلیقے سے ملتی ہے، کپڑے صاف ستھرے ملتے ہیں، برتن دُھلے دُھلائے ملتے ہیں، بہترین کھانے ہمیں نصیب ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال بخوبی سرانجام دی جاتی ہے تو پُتر یہ سارا جادو ایک عورت ہی چلاتی ہے ورنہ تو ایک سگا باپ بھی اپنے چھوٹے بچے کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرتا۔ بچہ زیادہ روئے تو شوہر اپنی بیوی سے کہہ دیتا ہے کہ اِسے کمرے سے باہر لے جاؤ میری نیند میں خلل پڑ رہا ہے۔ پُتر عورت بہت ہی پیاری چیز ہے۔ یہ مرد کے کردار پہ اُنگلیاں نہیں اُٹھاتی، یہ مرد کو اُس کے ماضی کے طعنے نہیں دیتی۔

پُتر عورت بیٹی ہے تو رب کی رحمت ہے۔ ماں ہے تو قدموں تلے جنت لیے پھرتی ہے۔ بابا جی کی باتیں سُن کے پتہ چل رہا تھا کہ عورت دنیا کی کتنی انمول دولت ہے۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''وجود زَن سے ہے کائنات میں رنگ'' پھر بابا جی بولے کہ جا پتر گھر چلا جا تیرا چہرہ بتا رہا ہے کہ تو سب سمجھ گیا ہے اور اب تیرا جلدی گھر جانے کو دل کر رہا ہے۔

میں بابا جی کے قدموں میں بیٹھ گیا اور بابا جی کے ہاتھ چوم کے بولا کے شکریہ بابا جی آپ نے میری غلطی کو دیکھ کے کوئی سزا نہیں سنائی بلکہ میری غلطی کو سدھارا اور احساس کروایا کہ میں غلط ہوں مجھے سب کی عزت کرنی چاہی بابا جی مسکرائے اور میرے سر پہ ہاتھ پھر کے بولے جیتا رہے پُتر اور اب گھر جا، گھر والے تیرا انتظار کر رہے ہونگے۔ واپس گھر جاتے ہوئے میرے قدموں میں اعتماد تھا اور دل مطمئن۔ اس کو غور سے پڑھیں اور عورت کی عزت کرنا سیکھیں آج سے ٹھیک سو سال پہلے 1922 میں ایک رائٹر نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ دوبارہ جب کیلنڈر پر بائیس کا ہندسہ آئے گا تو یقیناً نہ اپ ہونگے نہ میں ہوں گا۔

پھر مزید لکھا کاش عمر اتنا لحاظ رکھ لے کہ میں دوبارہ یہ ہندسہ دیکھ سکوں ان لوگوں کو دیکھ سکوں جو 2022 میں ہونگے اس زمانے کو دیکھ سکوں جو 2022 میں ہوگا مگر میں جانتا ہوں یہ ممکن نہیں ہے تب ہماری خبریں گمنام ہو چکی ہوں گی ساحر لدھیانوی جب بستر مرگ پر تھے، تو بند آنکھوں اپنے ڈاکٹر سے کہا ڈاکٹر کیور میں جینا چاہتا ہوں زندگی نے بیشک غم دیئے ہیں مگر دنیا خوبصورت جگہ ہے۔ یہاں یاروں کی محفلیں ہیں یہاں زندگی کا شور ہے میں جینا چاہتا ہوں ڈاکٹر کیور ۲۲ کا ہندسہ جب سو سال بعد 2122 میں دوبارہ آئیگا تو دوستوں یقیناً ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا۔ ہماری قبریں قبرستانوں کے گنجان حصوں میں گم ہو چکی ہونگی، کچھ دھنسی ہوئی، کچھ اٹی ہوئی، دبی ہوئی، لہٰذا کوشش کریں کہ یہ مختصر سا قیام خوشگوار گزر جائے۔ کوئی روح کوئی جسم، ایسا نہ ہو جو زخم ساتھ لے کر جائے۔

***

تشخیص

شہزاد مبشر، گلاسگو

ڈاکٹر قیصر شیرازی راولپنڈی کے سرکاری اسپتال میں کام کرتے ہیں' یہ جمعرات 16 دسمبر کو ڈیوٹی پر تھے' ان کے ایک کولیگ ڈاکٹر ملک نعیم ان سے ملاقات کے لیے آئے' ڈاکٹر نعیم نے انھیں ایک بج کر 20 منٹ پر فون کیا' ڈاکٹر شیرازی نے انھیں آفس میں انتظار کا کہا اور یہ وارڈ سے آفس کی طرف چل پڑے' ٹھیک چار منٹ بعد ڈاکٹر شیرازی کو نرس کا فون آ گیا۔ نرس نے بتایا ''سر ڈاکٹر نعیم فرش پر گر گئے ہیں'' یہ دوڑ کر پہنچے' ڈاکٹر ملک نعیم نیم بے ہوشی کے عالم میں گرے پڑے تھے' ڈاکٹر شیرازی نے معائنہ کیا' پتا چلا ڈاکٹر نعیم کو فالج کا اٹیک ہو چکا ہے اور ان کے جسم کی بائیں سائیڈ کام نہیں کر رہی' ڈاکٹر شیرازی نے فوراً ایمبولینس بلائی' ڈاکٹر نعیم کو اٹھا کر ایمبولینس میں رکھا اور راولپنڈی انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کی طرف دوڑ پڑے' ان کے کولیگز انھیں روکتے رہ گئے۔

ان کا کہنا تھا ''یہ فالج کا اٹیک ہے مگر آپ انھیں دل کے اسپتال لے جا رہے ہیں'' لیکن ڈاکٹر شیرازی نے کسی کے مشورے پر توجہ نہ دی اور یہ دس منٹ میں ڈاکٹر نعیم کو لے کر آر آئی سی پہنچ گئے' سی ٹی سکین ہوا' اگلے دس منٹ میں ڈاکٹر نعیم کو انجیکشن لگا دیا گیا اور یہ ایک گھنٹے بعد بالکل صحت مند تھے' فالج انھیں چھو کر نکل گیا تھا' ڈاکٹر نعیم دو دن مزید اسپتال میں رہ کر گھر چلے جائیں گے اور یہ عام نارمل زندگی گزاریں گے۔

ڈاکٹر قیصر شیرازی نے اس واقعے کے بعد ایک دوست کے ذریعے مجھ سے رابطہ کیا اور حکم دیا' آپ پلیز لوگوں کو فالج کے بارے میں بتائیں' ہمارے ملک میں ہر سال ہزاروں لاکھوں لوگ فالج کی وجہ سے معذور ہو جاتے ہیں' آپ کا ایک کالم ان لوگوں کی جان بچا سکتا ہے' ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا' موٹاپے' شوگر' بلڈ پریشر' کولیسٹرول اور تمباکو نوشی کی وجہ سے ہمارے خون میں کلاٹ بن جاتے ہیں' یہ کلاٹ اچانک کسی وقت ہمارے دماغ کی کوئی نس بند کر دیتے ہیں اور یوں ہمارے جسم کا دایاں یا بایاں حصہ مفلوج ہو جاتا ہے۔

میڈیکل سائنس میں اس حملے کو فالج کہتے ہیں اور یہ چند سیکنڈز میں کسی بھی شخص کو ہو سکتا ہے اور وہ شخص باقی زندگی بستر تک محدود ہو جاتا ہے' وہ کھانے اور واش روم کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے' دنیا میں چند سال پہلے تک فالج کا کوئی علاج نہیں تھا لیکن پھر میڈیکل سائنس نے فالج کا علاج دریافت کر لیا' اب ایک انجیکشن آ چکا ہے' مریض کو اگر یہ انجیکشن فالج کے حملے کے دو گھنٹے کے اندر لگا دیا جائے تو اس کے دماغ کا کلاٹ ختم ہو جاتا ہے اور وہ دوبارہ نارمل زندگی گزارنے کے قابل بن جاتا ہے لیکن یہ انجیکشن فالج کے فوراً بعد لگوانا ضروری ہے' مریض پر جوں ہی فالج کا حملہ ہو آپ اسے فوراً اٹھائیں اور سیدھا اسپتال لے جائیں۔ ڈاکٹرز اس کا سی ٹی سکین کریں گے اگر دماغ کی نس نہیں پھٹی تو اسے انجیکشن لگا دیا جائے گا اور مریض چند گھنٹوں میں صحت یاب ہو جائے گا لیکن اگر مریض کو دو اڑھائی گھنٹوں میں یہ انجیکشن نہیں لگایا جاتا تو وہ بے چارہ پوری زندگی کے لیے معذور ہو جائے گا' میں اس انجیکشن کے بارے میں جانتا تھا لہٰذا میں نے ڈاکٹر نعیم کو اٹھایا اور سیدھا آر آئی سی لے گیا اور یوں ان کی زندگی اور جسم دونوں بچ گئے' میں نے ڈاکٹر شیرازی سے پوچھا' کیا یہ انجیکشن ہر اسپتال میں دستیاب ہے؟ ان کا جواب تھا ''نہیں' یہ پورا ٹریٹمنٹ ہوتا ہے اور یہ صرف چند بڑے اسپتالوں میں ممکن ہے۔ اسلام آباد میں یہ شفاء اسپتال اور راولپنڈی میں آر آئی سی میں دستیاب ہے' شفاء پرائیویٹ اسپتال ہے' وہاں یہ علاج مہنگا ہوتا ہے جب کہ آر آئی سی میں مریض کا مفت علاج ہو جاتا ہے'' میں نے پوچھا ''مریض اگر پرائیویٹ علاج کرائے تو کتنا خرچ آتا ہے'' وہ بولے ''پندرہ سے بیس لاکھ روپے'' میں نے پوچھا اور ''آر آئی سی میں'' وہ بولے ''یہ علاج وہاں فری ہے'' مریض جائے اور چند لمحوں میں اس کا علاج شروع ہو جائے گا'' میں نے ہنس کر پوچھا ''اور ڈاکٹر شیرازی نے ہنس کر جواب دیا ''یہ دونوں راولپنڈی کو آر آئی میں نے پوچھا ''کیا یہ علاج ملک کے دوسرے حصوں میں بھی موجود ہے؟'' ڈاکٹر صاحب کا جواب تھا ''یہ تمام بڑے شہروں میں دستیاب ہے' آپ لوگوں سے درخواست کریں یہ ان اسپتالوں کا پتہ اور فون نمبرز اپنے پاس رکھیں' آپ کے سامنے اگر کسی کو فالج کا اٹیک ہو جائے تو آپ گاڑی اور رشتے داروں کے انتظار کے بجائے مریض کو اٹھائیں اور اسے فوری طور پر اسپتال پہنچا کر اس کا علاج شروع کرا دیں' یہ بچ جائے گا لیکن آپ اگر جوتے تلاش کرتے رہے تو مریض بے چارہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو جائے گا کیوں کہ اڑھائی گھنٹے بعد اس کے دماغ کا وہ پورشن ڈیڈ ہو جائے گا جس کے ذریعے اس کا جسم موومنٹ کرتا ہے اور دنیا میں ابھی تک اس کا کوئی علاج دریافت نہیں ہوا لہٰذا فالج کے فوراً بعد ابتدائی دو اڑھائی گھنٹے اہم ہوتے ہیں' یہ ضائع نہیں ہونے چاہیں''۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

مادام کیوری پولینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک غریب لڑکی رہتی تھی' اس کا نام مانیا سکلوڈووسکا تھا' وہ ٹیوشن پڑھا کر گزر بسر کرتی تھی' 19 برس کی عمر میں وہ ایک امیر خاندان کی دس سال کی بچی کو پڑھاتی تھی' بچی کا بڑا بھائی اس میں دلچسپی لینے لگا' وہ بھی اس کی طرف مائل ہوگئی چنانچہ دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن جب لڑکے کی ماں کو پتہ چلا تو اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا' اس نے مانیا کو کان سے پکڑا اور پورچ میں لا کھڑا کیا' اس نے آواز دے کر سارے نوکر جمع کئے اور چلا کر کہا' دیکھو یہ لڑکی جس کے پاس پہننے کیلئے صرف ایک فراک ہے' جس کے جوتوں کے تلوؤں میں سوراخ ہیں اور جسے 24 گھنٹے میں صرف ایک بار اچھا کھانا نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی ہمارے گھر سے' یہ لڑکی میرے بیٹے کی بیوی بننا چاہتی ہے' یہ میری بہو کہلانے کی خواہش پال رہی ہے'' تمام نوکروں نے قہقہہ لگایا اور خاتون دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی' مانیا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے اوپر تیزاب کی بالٹی الٹ دی ہو' وہ توہین کے شدید احساس میں گرفتار ہوگئی اور اس نے اسی پورچ میں کھڑے کھڑے فیصلہ کیا وہ زندگی میں اتنی عزت' اتنی شہرت کمائے گی کہ پورا پولینڈ اس کے نام سے پہچانا جائے گا۔

یہ 1891ء تھا' وہ پولینڈ سے پیرس آئی' اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور فزکس پڑھنا شروع کر دی' وہ دن میں 20 گھنٹے پڑھتی تھی' اس کے پاس پیسہ دھیلا تھا نہیں جو کچھ جمع پونجی تھی وہ اسی میں گزر بسر کرتی تھی' وہ روز صرف ایک شلنگ خرچ کرتی تھی' اس کے کمرے میں بجلی' گیس اور کوئلوں کی انگیٹھی تک نہیں تھی' وہ برفیلے موسموں کی راتیں کپکپا کر گزارتی تھی' جب سردی برداشت سے باہر ہو جاتی تھی تو وہ اپنے سارے کپڑے نکالتی تھی' آدھے بستر پر بچھاتی تھی اور آدھے اوپر اوڑھ کر لیٹ جاتی تھی' پھر بھی گزارہ نہ ہوتا تو وہ اپنی ساری کتابیں حتیٰ کہ اپنی کرسی تک اپنے اوپر گرا لیتی تھی' پورے پانچ برس اس نے ڈبل روٹی کے سوکھے ٹکڑوں اور مکھن کے سوا کچھ نہ کھایا' نقاہت کا یہ عالم ہوتا تھا وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتی تھی لیکن جب ہوش آتا تھا تو وہ اپنی بے ہوشی کو نیند قرار دے کر خود کو تسلی دے لیتی تھی' وہ ایک روز کلاس میں بے ہوش ہوگئی' ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہا' آپ کو دواء کی بجائے دودھ کے ایک گلاس کی ضرورت ہے' اس نے یونیورسٹی ہی میں پائری نام کے ایک سائنس دان سے شادی کر لی تھی' وہ سائنس دان بھی اسی کی طرح مفلوک الحال تھا' شادی کے وقت دونوں کا کل اثاثہ دو سائیکل تھے' وہ غربت کے اسی عالم کے دوران پی ایچ ڈی تک پہنچ گئی' مانیا نے پی ایچ ڈی کیلئے بڑا دلچسپ موضوع چنا تھا' اس نے فیصلہ کیا وہ دنیا کو بتائے گی یورینیم سے روشنی کیوں نکلتی ہے' یہ ایک مشکل بلکہ ناممکن کام تھا لیکن وہ اس پر جت گئی' تجربات کے دوران اس نے ایک ایسا عنصر دریافت کر لیا جو یورینیم کے مقابلے میں 20 لاکھ گنا روشنی پیدا کرتا ہے اور اس کی شعاعیں لکڑی' پتھر' تانبے اور لوہے غرض دنیا کی ہر چیز سے گزر جاتی ہیں' اس نے اس کا نام ریڈیم رکھا' یہ سائنس میں ایک بہت بڑا دھماکہ تھا' لوگوں نے ریڈیم کا ثبوت مانگا' مانیا اور پائری نے ایک خستہ حال احاطہ لیا جس کی چھت سلامت تھی اور نہ ہی فرش اور وہ چار برس تک اس احاطے میں لوہا پگھلاتے رہے' انہوں نے تن و تنہا 8 ٹن لوہا پگھلایا اور اس میں سے مٹر کے دانے کے برابر ریڈیم حاصل کی'

یہ چار سال ان لوگوں نے گرمیاں ہوں یا سردیاں اپنے اپنے جسموں پر جھلیلیں' بھٹی کے زہریلے دھوئیں نے مانیا کے پھیپھڑوں میں سوراخ کر دیئے لیکن وہ کام میں جتی رہی' اس نے ہار نہ مانی یہاں تک کہ پوری سائنس اس کے قدموں میں جھک گئی۔ یہ ریڈیم کینسر کے لاکھوں کروڑوں مریضوں کیلئے زندگی کا پیغام لے کر آئی' ہم آج جسے شعاؤں کا علاج کہتے ہیں یہ مانیا ہی کی ایجاد تھی' اگر وہ لڑکی چار سال تک لوہا نہ پگھلاتی تو آج کیسنر کے تمام مریض مر جاتے' یہ لڑکی دنیا کی واحد سائنس دان تھی جسے زندگی میں دو بار نوبل پرائز ملا' جس کی زندگی پر 30 فلمیں اور سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور جس کی وجہ سے آج سائنس کے طالب علم پولینڈ کا نام آنے پر سر سے ٹوپی اتار دیتے ہیں۔ جب دنیا نے مادام کیوری کو اس ایجاد کے بدلے اربوں ڈالر کی پیش کش کی تو اس نے پتہ ہے کیا کہا؟ اس نے کہا' میں یہ دریافت صرف اس کمپنی کو دوں گی جو پولینڈ کی ایک بوڑھی عورت کا مفت علاج کرے گی' جی ہاں! وہ امیر پولش عورت جس نے کبھی کیوری کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دیا تھا' وہ اس وقت کینسر کے مرض میں مبتلا ہو چکی تھی اور وہ اس وقت بستر مرگ پر پڑی تھی۔ بس ظرف بڑا رکھنے کی بات ہے مال و دولت ہونا ضروری نہیں۔ اس لڑکی نے اتنا سہنے کے بعد بھی اس عورت کے ساتھ حسن سلوک کر کے انسانیت کا بہت سبق دیا۔...

آفتابیات

۞ نیکی کا وہ فلسفہ جو کتابوں میں درج ہے اس کو اگر عملی زندگی میں دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح لوگ نیکی کو دوسروں کی کمزوری خیال کرتے ہیں اور احسان کو اپنا حق سمجھ کر جتانے کی کوشش کرتے ہیں۔اصل میں بات اس ظرف اور تربیت کی ہے جو معاشرتی عمل سے کنارہ کش ہو کر کہیں دور جا بسی ہے۔اس عہد میں کسی سے نیکی اس بنا پر کریں کہ بدلے میں گالیاں، طعنے اور شکوے سننے کو ملیں گے اور اگر نیکی کے بدلے کوئی نیکی کا انداز اپنا لے تو یقین جانیے آپ کی نیکی کسی فرشتہ صفت انسان سے جا ٹکرائی ہے کیونکہ عام انسان سے فرشتوں کی سیرت کا تقاضا خرابِ عقل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۞ کسی قوم کی ترقی اور تربیت کا تیسرا زینہ اس کی معیشت کے ساتھ وابستہ ہے۔قرضوں کے بوجھ سے آزادی کسی بھی قوم کے سر کو بلند کر دیتی ہے۔کسی بھی شعبے میں خود کفیل ہونا ایک قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا اشارہ دیتا ہے۔دولت کی بہتات جہاں زندگی گزارنے کے رویوں میں تبدیلی کا مظہر بنتی ہے وہاں پر نئے نظریات بھی جنم لیتے ہیں اور افراد کا بات کرنے کا انداز ہی نہیں بدلتا بلکہ ان کا جینے کا رنگ ڈھنگ بھی منفرد ہو جاتا ہے۔جدت صرف ناچ گانے کا نام نہیں ہوتی بلکہ سائنس اور جدید علوم قوم کی پہلی ضرورت بن جاتے ہیں۔عیاشی کی بجائے محنت اور آگے بڑھنے کا جذبہ اس لیے برقرار رہتا ہے کہ کہیں آسمان سے زمین پر نہ گر پڑیں۔ایسی اقوام فیصلے سنتی نہیں ہیں بلکہ اپنے فیصلوں سے دنیا کو بدلنے کا ہنر سیکھ لیتی ہیں۔

۞ :کسی بھی انسان کو جاننے کا جو رویہ معاشرہ بتاتا ہے وہ اس فرد سے لین دین ہے۔یہ لین دین بغیر زبان اور عمل کے ممکن نہیں ہے۔اس لیے جب کسی فرد سے ملاقات ہوتی ہے تو زبان وہ طریق ہے جو خوبیوں یا خامیوں کی وضاحت کا کام کرتا ہے۔بعض لوگوں کے نزدیک بعض لوگ دل کے اچھے ہوتے ہیں لیکن زبان کے کڑوے ہوتے ہیں۔دل کو کسی نے پھاڑ کے نہیں دیکھا اس لیے اس شخص کی پہچان اس کی زبان ہی ہوگی یا وہ عمل ہوگا جو وہ کسی دوسرے فرد سے وہ روا رکھتا ہے۔زبان کی مٹھاس اگر دل سے نہ بھی جڑی ہو پھر بھی اپنے اندر اثرات رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات کا پہلا سبق الفاظ کے چناؤ سے شروع ہوتا ہے۔باپ کو گالی دینے والا دل سے اس کی عزت کیسے کر سکتا ہے؟ جبکہ زبان اس کے عمل کی پہچان بن کے سامنے آتی ہے۔زبان کی مٹھاس کو برقرار رکھیں آپ کو اپنا دل دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

۞ :کسی بھی ملک کو دو چار دنوں میں ٹھیک نہیں کیا جا سکتا نہ ہی کسی بھی ملک کی سمت کو یکدم بدلا جا سکتا ہے۔عوام کی سطح پر سیاسی راہنما اصل میں ایک ایسا پروپیگنڈہ کرتے ہیں جس سے یوں گماں گزرتا ہے کہ رات سے دن نہیں طلوع ہوگا اور حالات بدل جائیں گے۔کیونکہ اکثر لیڈران ایک مخصوص سوچ اور ایجنڈے کے تحت تخت پر براجمان ہوتے ہیں تو کام اور عمل کے وقت انہیں احساس ہوتا ہے کہ نعروں اور انقلاب کے دعووں سے کوئی ملک بھی درست نہیں ہو سکتا۔کسی بھی سیاسی جماعت کو سب سے پہلے تربیت پہ توجہ دینی چاہیئے۔اخلاقیات اور معاشرت کے قوانین گھر سے شروع کرنے چاہیے جبکہ تک حکمران دوسروں کو غلط اور خود کو درست سمجھتے رہیں گے تب تک عوام کا جنازہ روزانہ سڑکوں پر خوار ہوگا۔صبح بخیر از قلم آفتاب شاہ کتاب آفتابیات

۞ کسی زمانے میں یہ فقرہ بولا اور عمل کیا جاتا تھا کہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو تا کہ علم اور تربیت کے مراحل طے کر سکو لیکن موجودہ زمانے نے سب سے پہلے ان بزرگوں کو بزرگی کے استھان سے ہٹا کر ان کو اپنی ذات میں مقید شخص بنا دیا ہے جو موبائل کی غلامی میں تربیت کے رموز کھو بیٹھا ہے۔اب نصیحت کا چلن اس لیے بھی کارآمد نہیں کیونکہ جو نصیحت کرنے والا ہے اور جو سننے والا ہے دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔اگر عزت کا پیمانہ برقرار رکھنا ہے تو بزرگی سے جدت کا داغ اتار کر روحانیت کی پگ پہننا پڑے گی ورنہ زبان اثر سے اور زندگی عمل سے محروم ہو جائے گی۔

۞ مذاق کرنے اور مذاق اڑانے میں معمولی سا فرق ہے اور یہ معمولی سا فرق ہمارے معاشرے میں اتنا معمولی خیال نہیں کیا جاتا۔جب مذاق پست ذہن کی پیداوار ہو تو ماں، بہن بیٹی کی عزت اتار کر گالیوں میں ملبوس ہو جاتا ہے جہاں دوسرے فرد کے کردار کو جسمانی اذیت کا شکار کرتا ہوا تذلیل کا روپ دھار لیتا ہے۔اس تذلیل پر اٹھنے والا قہقہہ بھی اسی تعفن زدہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے جو دوسرے افراد کی عزتِ نفس سے کھیل کر تسکین حاصل کرتا ہے۔لطیف مذاق لبوں پر مسکراہٹ لے کر آتا ہے جبکہ طنز کی بدبو میں لپٹا ہوا فقرہ ہمیشہ دوسروں کے دل پر گھاؤ لگاتا ہوا گزرتا ہے جس سے کسی کا ظرف اور شرف دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں۔مذاق محبت کے وجود سے مس ہو تو دل دکھنے کی بجائے جڑتے ہیں۔

***

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SHARIF
JEWELLERS
Timeless Jewels, Priceless Memories

28 London Road, Morden. SM4 5BQ London
@sharifjewellers +44 7888 300 399

حق اور سچ دیکھنے کے لئے یوٹیوب چینل

9 Brothers TV International

دیکھئے 9 Brothers Tv International

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)